علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر راحت سلطانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علیم صبا نویدی

کی

نعتیہ شاعری

استاد محترم
پروفیسر ناز قادری صاحب
کی خدمت میں

راحت
18.10.2011

ڈاکٹر راحت سلطانہ

ناشر
نشاط پبلشرز
20-4-226/9 محبوب چوک، حیدرآباد۔2

نام کتاب : علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری

مصنفہ : ڈاکٹر راحت سلطانہ

مصنفہ کا پتہ : 20-4-226/9 محبوب چوک' حیدرآباد۔2

فون: 040-24560338 سیل: 9848176637

سال اشاعت : 2008ء

تعداد اشاعت : 786

کمپیوزنگ : ممتاز کمپیوٹرس' 20-3-866' رحیم منزل' شاہ گنج' حیدرآباد۔2

فون: 24577739 سیل: 9848615340' 9849341686

سرورق : خواجہ پریس' حیدرآباد سیل: 9849592256

قیمت : 200/روپے

ناشر : نشاط پبلشرز 20-4-226/9' محبوب چوک' حیدرآباد۔2

فون: 040-24560338

زیر اہتمام : الانصار پبلی کیشنز' ریاست نگر' حیدرآباد۔59 سیل: 9391301192

یہ کتاب اُردو اکیڈیمی آندھراپردیش کی جزوی مالی اعانت سے شائع ہوئی

ALEEM SABA NAVEEDI KI NATIYA SHAIRI

by **Dr. Rahat Sultana**

Price : Rs. 200/-

NISHATH PUBLISHERS

20-4-226/9, Mehboob Chowk, Hyd-2.

Cell : 9848740484

ملنے کے پتے : 1. نشاط پبلشرز 20-4-226/9' محبوب چوک' حیدرآباد۔500002

2. تملناڈو اُردو پبلی کیشنز' ماؤنٹ روڈ' چینائی۔600002

3. مونس بک ڈپو' قلعہ روڈ' خسرو نگر' علی گڑھ۔202002

انتساب

زندگی کے شریک سفر

محمد علی آثرؔ کے نام

حق بہ حق دار رسید

راحت سلطانہ

فہرست مضامین

پروفیسر معین الدین عقیل

حرفِ آغاز

علیم صبا نویدی اُردو دنیا میں ایک ہمہ صفت شخصیت کے حامل ہیں۔ اور میں تخلیق و تحقیق میں ان کی متنوع کاوشوں اور مستقل سرگرمیوں کا ہمیشہ معترف رہا ہوں۔ خود ان کے اپنے تخلیقی تجربات و تصنیفی مہمات کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں تجربات کا مطالعہ و تجزیہ بھی ان کی توجہ کے باعث میرے لیے مزید پُرکشش رہا ہے۔ ان کی ان خصوصیات وصفات کے سبب ان کی کاشوں کا جائزہ و مطالعہ اگرچہ بارہا موضوع بنتا رہا ہے لیکن زیرِ نظر تصنیف ان کی شخصیت اور ان کی کاوشوں کے مخصوص —— لیکن بے حد تابناک و نمایاں رُخ "نعت نگاری" کا احاطہ کرتی ہے۔ جو بلاشبہ اس اہتمام و قدردانی کا متقاضی بھی تھا جس کی جانب ڈاکٹر راحت سلطانہ ن ا بجا طور پر توجہ دی ہے۔

ڈاکٹر راحت سلطانہ اُردو دنیا میں اپنے مضامین و مقالات اور تصانیف کے باعث غیر متعارف نہیں۔ اب ان کی ایک مستقل و مبسوط تحقیقی تصنیف' جو عہد حاضر کی ایک علمی و ادبی شخصیت اور ایک دل آویز تخلیقی صنف کی باہمی ربط آمیزی کے مطالعے پر مشتمل ہے' انھیں ایک محقق و نقاد کے طور پر بھی سامنے لا رہی ہے —— جو خوش آئند بھی ہے اور مزید امکانات و توقعات سے بھرپور بھی۔ اسے آمدنت باعث خوش خوبختی ——

حیدر آباد

۹ر مارچ ۲۰۰۸ء

ڈاکٹر راہی فدائی

تعارف

نعت شریف کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات اور منور صفات ہونے کی بناء پر عوام اور خواص کے نزدیک یکساں مقبول ہے۔ نعت گوئی کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کا شرف ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ دولت "بفحوائے ذٰلِک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء" خدا کے فضل و کرم ہی سے چند ایک بخت آوروں کے حصے میں آتی ہے۔ اس دولت نایاب کی تقسیم بھی "دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر" کے مصداق اصحاب قلم کے درمیان اس طرح ہوتی ہے کہ اس کے حصے کسی کو زیادہ کسی کو کم اور کسی کو بہت ہی کم ان کے اپنے ظرف محبت کے بہ مقدار ملتے ہیں۔ عہد حاضر میں نعت گوئی کی دولت کے انبار میں سے جن معدودے چند خوش نصیبوں کو وافر حصہ ملا ہے۔ ان میں علیم صبا نویدی کا نام نامی ممتاز ہے۔ علیم صبا کے قلم کی خوش بختی سے نعت پاک کے چار مجموعے ان، نورالسموات۔ مراۃ النور۔ نور اعظم تا حال منظر عام پر جلوہ افروز ہو چکے ہیں علیم صبا مشہور و معروف جدید لب ولہجہ کے شاعر ہیں اور یہ بات مسلّم ہے کہ ان کی جدت طرازی و ندرت بھی ان کی غزلوں میں صد رنگ

جلوے بکھیرتی رہتی ہے۔ مگر امر حیرت یہ ہے کہ اس جدت وندرت کی کارفرمائی آپ کے نعتیہ اشعار میں بھی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ آپ کی نعتوں میں جا بجا لفظ نور کا پاکیزہ استعمال نورٌ علیٰ نورٌ کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا تجزیہ اور اس کے محاسن اسلوب کا محاسبہ' تنقید فن کا ہی نہیں بلکہ ادب عالیہ کی ضرورت بھی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت ڈاکٹر راحت سلطانہ صاحبہ نے بڑی جرأت وہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے علیم صبا کی نعتیہ شاعری پر نہ صرف قلم اٹھایا ہے بلکہ یہ ایک مفصل ومدلل تحقیقی مقالہ بھی سپرد قرطاس کر دیا ہے۔

ڈاکٹر راحت سلطانہ کا شمار حیدرآباد کی معروف خواتین قلم کاروں میں ہونے لگا ہے۔ انھیں جہانِ اُردو کے ماہر دکنیات ادیب ونقاد وشاعر پروفیسر محمد علی اثرؔ کی اہلیہ ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔ قبل ازیں ڈاکٹر صاحبہ کے نوک قلم سے کئی ایک علمی وادبی مقالہ جات منظر عام پر آنے کے علاوہ علمی وادبی حلقوں میں وہ مشہور ہو چکی ہیں۔ ان کی مرتبہ اور مصنفہ پانچ کتابیں متاع شعر وادب' گلدستہ تہنیت' خوشبو کی برات' خوشیوں کی سوغات کے علاوہ تحقیقی وتنقیدی مضامین کا ایک گرانقدر مجموعہ ''آئینۂ نقد ونظر'' بھی منصۂ شہود پر جلوہ بار ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ ایک پختہ کار ادیبہ ہونے کی وجہ سے ان کی تحریر میں چستی وشائستگی سلامت روی اور روانی اہل ذوق کے دل ونظر کو متوجہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ نے علیم صبا نویدی جیسے کہنہ مشق اور جدید شاعر کے نعتیہ کلام پر اظہار خیال کرنے کی ٹھانی اور الحمد للہ انھوں نے اس کا حق بھی ادا کر دکھایا۔ ڈاکٹر راحت سلطانہ نے اپنی کتاب کو درج ذیل چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

(۱) باب اول صنف نعت مفہوم اور موضوع کی مختلف جہات (۲) باب دوم نعت گوئی کا آغاز وارتقاء (۳) باب سوم علیم صبا کے واقعات حیات (۴) باب چہارم علیم صبا کی نعت گوئی (۵) باب پنجم علیم صبا کے یہاں ہیئتی تنوع اور فکری زاویے (۶) باب ششم محاسبہ۔

خدا جھوٹ نہ کہلوائے حق تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ نے ہر باب کا حق ادا کر دیا ہے۔ پہلے باب میں نعت اور اس کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور نعت کی لامحدودیت کے لیے کافی دلائل وبراہین پیش کیے گئے ہیں۔

دوسرے باب میں نعت گوئی کا آغاز وارتقاء کے ضمن میں عربی فارسی دکنی اور اردو نعتیہ

شاعری کے عہد بہ عہد نشو ونما کے تجزیاتی مطالعے کو نعتیہ اشعار کے حوالوں سے اس طرح سجایا ہے کہ قاری ڈاکٹر صاحبہ کے زور قلم اور حسن استدلال سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

شخصیت و کردار اور حالات زندگی کے جائزے کے بغیر کسی فنکار کی نفسیاتی الجھنوں اور فن کی گتھیوں کو سلجھانا ناممکن ہے۔ تیسرے باب میں علیم صبا کے واقعات حیات کی ایسی تفصیلات پیش کی گئی ہیں جن کا تعلق ان کی ادبی شخصیت سے براہ راست یا بالواسطہ ہے۔

چوتھے باب میں علیم صبا کی نعت گوئی کا گہرائی و گیرائی کے ساتھ بصیرت افروز جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر صاحبہ کا قلم جادو جگاتا ہوا رواں دواں نظر آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو شعلے علیم صبا کے اشعار سے اٹھ رہے ہیں ان کی حدت و شدت سے ڈاکٹر صاحبہ کا قلم بھی متاثر ہوا اٹھا ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت کے اثرات ڈاکٹر صاحبہ کے خیالات و افکار سے بھی مترشح ہو رہے ہیں۔

پانچویں باب میں علیم صبا کی نعتوں میں ہیئتی تنوع کی بوقلمونی و رنگارنگی اور ان کے فکری زاویے اس خوبصورتی سے بیان کیے گئے ہیں کہ اشعار کا حسن ظاہری اور ملاحت معنوی کا عمدہ مرقع سراپا مقدس پیکر بن کر نظروں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر راحت نے آخری باب میں علیم صبا کی شاعری کا محاسبہ ہمعصر نعت گو شعراء کے پس منظر میں پیش کرتے ہوئے ان کے محاسن شعر کے ذکر پر ہی اکتفا کیا ہے۔ یہ ایک طرح کی مجبوری بھی ہے کہ معاملہ نعت شریف کا ہے۔ اس میں تلاش معائب کی سعی نہ صرف بے محل ہوگی بلکہ بعض اوقات بے ادبی و گستاخی پر بھی محمول کی جائے گی۔ لہٰذا راہ عافیت اسی میں ہے کہ ان خدشات سے دامن بچایا جائے۔

بہر حال ڈاکٹر راحت سلطانہ صاحبہ مبارکبادی و تہنیت نوازی کی مستحق ہیں کہ انھوں نے علیم صبا کی نعتیہ شاعری کا تجزیہ اور اس کی تفہیم کے مسائل کو بڑی سلیقہ مندی اور ہنر کاری سے اہل علم و فن کے روبرو پیش کیا ہے اور یہ کاوش لائق تحسین ہی نہیں قابل تقلید بھی ہے۔

"اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ"

◆◆◆

ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس

پیش لفظ

ڈاکٹر راحت سلطانہ حیدرآباد کی ایک جانی مانی ادیبہ ہیں۔ انہوں نے تحقیق و تنقید کے میدان کو اپنے اشہب قلم کی جولان گاہ بنایا۔ شاعری سے بھی انہیں لگاؤ ہے لیکن کم کم ہی وہ اس کوچے کی سیر کرتی ہیں۔ بنیادی طور پر وہ ایک نثر نگار ہیں۔ ڈاکٹر راحت سلطانہ دکنی زبان و ادب کے مشہور عالم محقق و نقاد اور ماہر دکنیات پروفیسر محمد علی اثر کی شریک حیات ہیں۔ لیکن ادبی دنیا میں اپنے خدائے مجازی کے حوالے کے بغیر انہوں نے اپنی شناخت بنائی ہے۔ ان کے تحقیقی مقالات اور تنقیدی مضامین اُردو کے موقر ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ پیش نظر کتاب ''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری'' ڈاکٹر راحت سلطانہ کی تیسری تصنیف ہے۔ اس سے قبل ان کے مضامین و مقالات کا ایک انتخابی مجموعہ ''آئینۂ نقد و نظر'' کے عنوان سے شائع ہوکر شائقین اور نقادانِ ادب سے سند تحسین حاصل کرچکا ہے۔ اس کتاب کو ریاستی اُردو اکیڈیمی نے ۲۰۰۳ء میں انعام اول سے نوازا۔ علاوہ ازیں انھوں نے ڈاکٹر جاویدہ حبیب کی شراکت میں

''متاعِ شعر و ادب'' (۲۰۰۰ء) کے عنوان سے ایک کتاب بھی مرتب کی ہے جس میں مختلف ادبی تصانیف پر علیم صبا کے تبصروں کو یکجا کیا ہے۔

پیشِ نظر کتاب ''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری'' ڈاکٹر راحت سلطانہ کی دوسری تصنیف ہے۔ یہ مقالات کا مجموعہ نہیں بلکہ اپنے موضوع پر ایک مستقل اور بھرپور کتاب ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے جدید لب و لہجے کے ممتاز اور پُرگو شاعر ''علیم صبا نویدی کی نعت گوئی'' کا نہایت گہرائی و گیرائی کے ساتھ جامع اور مبسوط مطالعہ پیش کیا ہے۔ کتاب کے مباحث و مشمولات کا مزاج و منہاج تحقیقی بھی ہے اور تنقیدی بھی۔ گویا بقول ڈاکٹر جمیل جالبی اس کا رنگ روپ ''تحقیدی'' ہے۔

علیم صبا کا تعلق علاقہ تامل ناڈو سے ہے۔ تامل ناڈو کی ریاست ہندوستان کے نقشہ میں خلیج بنگال کے ساحل سے متصل انتہائی جنوب میں واقع ہے۔ اور بظاہر اُردو زبان و ادب کے مراکز سے کٹی ہوئی اور دور افتادہ معلوم ہوتی ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ یہ دراوڑی خاندانِ السنہ کی ایک زبان تامل بولنے والوں کی آبادی پر مشتمل ہے۔ لیکن بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ تامل زبان کے اس گلشن میں اُردو شعر و ادب کا ایک خیابان بھی جلوۂ بہار کی آماجگاہ رہا ہے۔ تامل ناڈو میں اُردو زبان اور تخلیقِ شعر و ادب کی روایات نہایت قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ جس کے نقطۂ آغاز میں شاہ سلطان ثانی، شاہ عالم شغلی، شاہ مرتضیٰ گیانی اور شاہ صادق ارکانی وغیرہ کے نام منور و تاباں ہیں، تو بعد کے دور میں ولی ویلوری، شاہ تراب، فراقی، شاہ ابوالحسن قربی، ابجدی، باقر آگاہ، غوثی، معجز اور نامی وغیرہ کے نام روشن و درخشاں نظر آتے ہیں۔ پھر یہ سلسلہ عبدالرحمن شاطر مدراسی، شاکر نائطی، برتر مدراسی، پرتو مدراسی، ضو مدراسی، دانش فرازی وغیرہ تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد شعر و ادب کے اس سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی کے روپ میں علیم صبا نویدی کی شخصیت جلوہ گر ہوتی ہے۔ جو نہ صرف اُردو زبان و ادب سے بے پناہ عشق رکھتے ہیں بلکہ ایک ایسے باکمال فن کار بھی ہیں جن کی بے پناہ تخلیقی توانائی ذہنی اپج، طباعی اور ندرت

پسندی نے ادب کے مختلف شعبوں میں اپنے فکر و فن کے رخشندہ نقوش چھوڑے ہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں سے اُردو میں درآمد کردہ بعض شعری ہیئتوں اور نئی اصناف سخن میں شعری مجموعہ کی تصنیف یا تالیف میں ان کے کارناموں کو اوّلیات کا درجہ حاصل ہے۔ جیسے انھوں نے اُردو میں نعتیہ سانیٹ کا پہلا مجموعہ پیش کیا۔ ہائی کو اور آزاد غزل کے مجموعے مرتب کیے۔

علیم صبا نویدی ایک کثیر الابعاد تخلیق کار ہیں۔ وہ جتنے بڑے شاعر ہیں اتنے ہی بڑے نثر نگار بھی ہیں۔ تحقیق میں ان کی امعان نظر کا قائل ہونا پڑتا ہے تو تنقید میں بصیرت مندی کا۔ انہوں نے افسانے بھی لکھے' تامل ناڈو میں اُردو شعر و ادب کے مختلف حوالوں سے مختلف تواریخ بھی لکھیں اور مجلاتی صحافت کی وادیٔ پرخار میں لذتِ آبلہ پائی بھی اٹھائی۔ شاعری میں غزل اور ٹیپ بند نظم جیسی روایتی اصناف کے علاوہ ہائیکو' آزاد غزل' منی نظم' سانیٹ اور نثری نظم کے مجموعے بھی دیے۔ مختلف شاعروں کے کلام کو مرتب کیا اور مختلف موضوعات پر بلند پایہ تحقیقی و تنقیدی کتابیں تصنیف کیں۔ ان سب سے قطع نظر علیم صبا نویدی کے تخلیقی جوہر کا ایک خاص پہلو ان کی نعتیہ شاعری ہے۔ علیم صبا نویدی کا تعلق ایک مذہبی اور متصوفانہ خانوادے سے ہے۔ راست یا بالواسطہ اُن کی نعتیہ شاعری پر ان کے اس خاندانی پس منظر کا گہرا اثر واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ وہ ایک سرمست مداحِ نبی ہیں۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے انہیں بے پناہ لگاؤ اور شیفتگی ہے۔ جس کی نمود ان کی نعتوں میں نظر آتی ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری نبی مکرمؐ سے ان کے عشق اور والہانہ فدائیت کا فنی اور تخلیقی اظہار ہے۔

علیم صبا نے روایتی ہیئتوں میں بھی نعتیں لکھی ہیں۔ لیکن ان کی جدت پسند طبیعت نے شعر کی نئی ہیئتوں اور نئی اصناف کو بھی نعتیہ جذبات کی ترسیل کا وسیلہ بنایا اور ان نئی اصناف کو نعتیہ شاعری کی فردوسی مہک سے معطر' انوارِ نعت سے منور اور نعت کی تقدیس سے ان کی فضاؤں کو مقدس بنادیا۔ یہ ان کا ایسا کارنامہ ہے جس کی بدولت نعتیہ شاعری کے افق پر علیم صبا کا نام ماہِ تمام کی طرح روشن رہے گا۔

علیم صبا نویدی کی شخصیت اوران کے فن کی مختلف جہتوں پر ملک کے ممتاز پروفیسروں اور دانشوروں نے متعدد کتابیں لکھیں اور مرتب کیں ۔ جیسے لہجہ تراش (مولانا کاظم نائطی)' آسمان فن کا سفیر (ڈاکٹر نجم الہدیٰ)' نقش بند (پروفیسر سلیمان اطہر جاوید)' روشن لکیر (ڈاکٹر اختر بستوی)' خامہ در خامہ (پروفیسر محمد علی اثر) وغیرہ۔ علیم صبا نویدی کے فن پر مختلف جامعات میں تحقیقی مقالات بھی قلمبند کیے گئے ہیں۔ ان میں پیش نظر کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کا خصوصی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس سے قبل علیم صبا نویدی کی نعت گوئی پر نقش قلم کے نام سے ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔ لیکن یہ مختلف اہل قلم کے مضامین کا مجموعہ ہے اور اس کی اشاعت ۱۹۹۲ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد سے اب تک علیم صبا نویدی کے توسنِ فکر نے کافی مسافت طے کی ہے۔ اور اس کے دامن میں تخلیق و تخیل میں ہزاروں لولوئے لالہ کی تربیت ہوتی رہی ہے۔ پیش نظر کتاب میں ڈاکٹر راحت سلطانہ نے نہایت محنت' سلیقہ اور دقیقہ سنجی کے ساتھ علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کے تمام پہلوؤں کا نہایت بسیط اور مفصل جائزہ لیا ہے۔

پیش نظر کتاب پانچ ابواب پر محتوی ہے۔ باب اول میں فاضل مصنفہ نے نہایت شرح و وضاحت کے ساتھ نعتیہ شاعری کی روایت کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے لفظ نعت کے لغوی معنی و اصطلاحی مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے نعت کے موضوع' اس کے ہیئتی تنوع اور نعت گوئی کے لوازمات پر روشنی ڈالی ہے۔ بعد ازاں عربی' فارسی اور دکنی زبان میں نعتیہ شاعری کی روایت کی بازدید کی ہے۔ اس سلسلہ میں مصنفہ نے حضرت حسان بن ثابت' کعب بن زبیر' عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک جیسے سرخیل نعت گو شعرائے عرب' عطارؔ' سعدیؔ' جامیؔ اور قدسیؔ جیسے سرحلقۂ نعت گویانِ فارس اور حضرت گیسودراز' نظامیؔ' اشرفؔ' میراںؔ جی شمس العشاق' احمد گجراتیؔ' وجہیؔ' محمد قلیؔ' غواصیؔ اور نصرتیؔ جیسے قدیم سخنورانِ دکنی کی نعتیہ شاعری پر تحقیقی نظر ڈالی ہے۔

باب دوم میں مصنفہ نے اردو میں نعتیہ شاعری کے زیرِ عنوان معیاری اردو میں نعتیہ

شاعری کے آغاز وارتقاء کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس باب میں انہوں نے شمالی ہند کے قدیم نعت گوشعرا غلام قادر شاہ' امام بخش قادری' شیخ عبدالفرح' شیخ عثمان' مولانا عبدی اور شیخ اسمٰعیل کے نعتیہ اشعار کا ذکر کرتے ہوئے میر وسودا' مصحفی ومومن جیسے اساتذہ سخن کی نعت گوئی کا جائزہ لیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے شمالی ہند اور جنوبی ہند کے تمام ممتاز نعت گوشعرا کے کارناموں کو معرض بحث میں لایا ہے۔ ان میں کرامت علی شہیدی' کفایت علی کافی' غلام امام شہید' امیر مینائی' محسن کاکوروی' حالی' احمد رضا خاں' اقبال' ظفر علی خاں' حفیظ جالندھری' امجد حیدرآبادی' ماہرالقادری' اور عبدالعزیز خالد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

کتاب کے تیسرے باب میں ڈاکٹر راحت سلطانہ نے علیم صبا نویدی کے مختصر سوانح پیش کیے ہیں۔ اس خصوص میں ان کی سیرت وشخصیت کی مرقع کشی بھی کی ہے تاکہ قارئین' شاعر کی شخصیت سے متعارف ہوسکیں۔

کتاب کا چوتھا باب ''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری'' اس کتاب کا اصل باب ہے جو بیت الغزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس باب میں اولاً فاضل مصنفہ نے علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کے مجموعوں کا تعارف کرایا ہے اور ان کے مافیہ (نعتوں کی تعداد اور ان کی تکرار وغیرہ) کی وضاحت کی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اس باب کے مشمولات کو دو شقوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی شق کو فنی امتیازات کا عنوان دیا ہے۔ اس شق کے تحت انہوں نے غزل' سانیٹ' ہائیکو' ٹیپ بند نظم' سلام اور آزاد غزل' جیسی روایتی وجدید ہیئتوں کے فنی اصول ولوازم کی روشنی میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے علیم صبا نویدی کے فنی اکتسابات اور تخلیقی امتیازات کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔ اس باب کی دوسری شق میں ''فکری گوشے'' کے زیرعنوان علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کے فکری پہلوؤں' اہم موضوعات' مرکزی تصورات ومعتقدات اور نعت گوئی کے حوالے سے دیگر علمی وادراکی زاویوں کا انتقادی مطالعہ کیا ہے۔

کتاب کے آخری باب میں محاسبہ سرنامے کے تحت فاضل مصنفہ نے علیم صبا نویدی کی نعت گوئی پر نظر باز پسیں کی ہے۔ یہ باب گذشتہ ابواب کے مباحث کا ملخص اور نچوڑ پیش کرتا ہے۔ علیم صاحب کی نعت گوئی کے بارے میں فاضل مصنفہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ.

''علیم صبا نویدی نے نئے سلیقے اور نئے شعور کے ساتھ نعت گوئی کی ہے۔ ان کی نعتوں میں جناب سرورِ کونینؐ کے محامد محاکرہ' نعوتِ عالیہ اور شمائل و فضائل کے تذکار نئے اسلوب' نئے طرز احساس' نئی لفظیات اور جدید تراکیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ انہوں نے نعت کے آداب و حدود کی کامل پاسداری کے ساتھ اس صنف کو جدید حسیت اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ہے۔ رسول اکرمؐ کی مدح وستائش' تعریف و توصیف' آپ کے فضائل و کمالات اور آپؐ کی ذات اقدس سے بے پناہ عشق ووابستگی کے جذبات کی ترجمانی میں علیم صبا نویدی نے زبان و بیان کے روایتی سانچوں سے انحراف اور گریز کرتے ہوئے زبان کے تخلیقی استعمال کا حسین اور موثر نمونہ پیش کیا ہے۔ ان کے ڈکشن کی توانائی اور موزونیت کو شمس الرحمن فاروقی جیسے نقاد نے بھی سراہا ہے۔''

پیش نظر کتاب بحیثیت نعت گو شاعر علیم صبا نویدی کی تلاش و بازیافت اور تحسین و تعیین قدر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر راحت سلطانہ نے نہایت معروضی انداز میں علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کا نہایت مبسوط اور جامع مطالعہ پیش کیا ہے۔

علیم صبا نویدی اُردو شعراء اور ادبا میں ایک منفرد اور ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ ان کی شخصیت اور فن پر بہت سی کتابیں تحقیق یا تالیف کی گئی ہیں جن میں مختلف جہتوں سے ان کے ادبی اور فنی اکتسابات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہوا ہے نعتیہ شاعری میں ان کے فکری اور فنی کارنامے جس تفصیلی اور اختصاصی مطالعہ کے طالب تھے ڈاکٹر راحت سلطانہ نے

بجا طور پر اس کمی کو محسوس کیا اور علیم صبا کی نعت گوئی کو فکر و تحقیق کا موضوع بنایا۔ پیشِ نظر کتاب میں انھوں نے نہ صرف صنفِ نعت میں علیم صبا کی جدتوں' ہیئتی تجربوں اور دیگر مستبدعات کا تجزیہ کیا ہے بلکہ علیم صبا کی نعتیہ شاعری میں معنی کے نئے اُفقوں کی تلاش بھی کی ہے اور گہرائی میں جا کر ان کے نعتیہ اشعار میں معانی و مفاہیم کے نئے قرائین و امکانات کو بڑی نکتہ رسی اور خوبی کے ساتھ اُجاگر کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کی شناخت اور تحسین میں دستاویزی اہمیت رکھتی ہے۔

انہوں نے مستند مآخذ سے کتاب کا مواد حاصل کیا ہے اور مختلف مسائل میں اپنے موقف کی تائید میں معتبر کتب سے دلائل لائے ہیں۔ موصوفہ کا نقطۂ نظر نہایت سلجھا ہوا اور اندازِ بیان شگفتہ و دلنشین ہے۔ انہوں نے اپنے خیالات کی ترسیل میں تحقیق کی نپی تلی زبان کے ساتھ ساتھ اسلوب کے جمالیاتی پہلوؤں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ یہ کتاب علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کی پرکھ اور پہچان پر مبنی تو ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ اردو میں نعتیہ شاعری کے انتقادی سرمایہ میں ایک وقیع اور بیش بہا اضافہ بھی ہے۔ اس کی تصنیف و اشاعت پر میں فاضل مصنفہ کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

قطعات تاریخ طباعت بر تصنیف

"علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری" مصنفہ ڈاکٹر راحت سلطانہ

نتیجۂ فکر

پروفیسر شاہ حسین نہری (اورنگ آباد)

(۱)

نعت گوئی صبا کی اچھی ہے
نقدِ راحت بھی اُس پہ ہے عمدہ

نقدِ راحت کہ ہے نسیم سحر
ہے چمن زارِ شعر نعت صبا

نقد و تحقیق یہ رہے جاری
حق میں راحت کے ہے خدا سے دُعا

شاہ تاریخ طبع کہہ دیجے
نقدِ راحت اہم بہ نعت صبا

۱۴۲۹ھ

(۲)

ہے جو علیم صبا نویدی کی نعت گوئی
ہے اُس پہ تحقیق و نقدِ راحت بڑی مؤثر
آثر محمد علی بھی اور اُن کی بیوی راحت
حیات اُن کی ہے ذوق و شوقِ ادب کی خاطر
بھائی ہاتف نے شاہ تاریخِ طبع جو' وہ
کہو: ''علیم صبا نویدی ہے نعت شاعر''

۱۴۲۹ھ

دیگر مادہ ہائے تاریخ

''نعتیہ شاعر علیم صبا نویدی''	(۱۴۲۹ھ)
''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری۔ کتاب اسناد''	(۲۰۰۸ء)
''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری۔ ایک اجمالی کتاب''	(۲۰۰۸ء)
''شاعرِ فصاحتِ نعت ہے علیم صبا نویدی''	(۲۰۰۸ء)
''نقد و تحقیق آگاہ راحت ہے''	(۲۰۰۸ء)
''نقدِ راحت بہ ماہِ نعتِ صبا''	(۲۰۰۸ء)
''نقدِ راحت مداحِ نعتِ صبا''	(۲۰۰۸ء)
''نقدِ راحت گلاب نعتِ صبا''	(۲۰۰۸ء)
''نقدِ راحت حَلِّ نعت صبا''	(۲۰۰۸ء)

ابتدائیہ

علیم صبا نویدی کا نام اردو دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔
وہ ایک پہلودار ادبی شخصیت کے مالک ہیں۔ اپنے ادبی سفر کا آغاز انہوں نے افسانہ نگار کی حیثیت سے کیا تھا اور ”شگاف در شگاف“ اور اجلی مسکراہٹ“ کے نام سے دو افسانوی مجموعے اپنی یادگار چھوڑے لیکن ان کی [illegible] ادبی شہرت اور ناموری میں افسانہ نگاری سے زیادہ ان کی شاعری کو دخل حاصل ہے۔ دنیائے علم وادب میں جدید شاعر کی حیثیت سے انہوں نے اپنا ایک منفرد مقام بنایا اور جدید غزل کو ایک نئی تب وتاب اور نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کیا۔ ان کی غزلوں کے اب تک چار مجموعے ”طرح نو“ فکر بر“ ”نقش گیر“ اور ”اثر خامہ“ منظر عام پر آئے ہیں۔ جدت پسندی اور ندرت فکر نے جب انہیں غیر ملکی اصناف سخن کی طرف متوجہ کیا تو انہوں نے نہ صرف ہائیکو اور سانیٹ کی ہیئت میں نظمیں لکھیں بلکہ ان اصناف شعر میں مجموعے بھی مرتب کر کے شائع کیے۔ ان کے سانٹ کا ایک مجموعہ ”نور السموات“ اردو میں نعتیہ سانیٹ کا اولین مجموعہ ہے۔ علیم صبا نویدی نے آزاد غزل کو بھی اپنی طبع کا موضوع بنایا اور ”ردِ کفر“ کے نام سے آزاد غزلوں

کا پہلا مجموعہ مرتب کرنے کا اعزاز بھی پایا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اردو میں آزاد غزلوں کا پہلا انتخاب "قید شکن" کے نام سے اور آزاد غزل کے موضوع پر مختلف نقادوں کے مضامین اور تاثرات پر مشتمل ایک کتاب "آزاد غزل شناخت کی حدوں میں" شائع کی۔

علیم صبا نویدی صرف تخلیقی فن کار ہی نہیں بلکہ میدان تنقید و تحقیق کے شہسوار بھی ہیں۔ اس موضوع پر ان کی متعدد کتابیں منظر عام پر آئی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

مذکورہ بالا علمی و ادبی اور تحقیقی کارناموں سے قطع نظر نعت گوئی، علیم صبا نویدی کی فن کارانہ شخصیت کی ایک اور ایسی جہت ہے جو بقول پروفیسر نجم الہدیٰ ان کی اب تک کی ساری شاعرانہ کاوشوں کے مقابلے میں ہزار درجہ بلند و بالا ہے۔ اور انہوں نے جس منبع فیض سے اکتساب نور کیا ہے وہی ان کی شہرت کا ضامن ہے۔ خود علیم صبا نویدی کو بھی اس بات کا احساس ہے کہ مدحت رسولؐ میں ان کا سفر روشن ہوا ہے اور نعت حبیب کبریا کی سعادت حاصل کر کے انہوں نے اپنے آپ کو بہت اونچا اٹھایا ہے۔

تو نے نعت محمدؐ میں صباء خود کو اونچا بہت اٹھایا ہے

علیم صبا نویدی کے اب تک تین مجموعہ ہائے نعت "مراۃ النور"، "نور سموات" اور "ن" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور ان کی نعت گوئی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے اور دو ایک مجموعہ ہائے نعت زیر ترتیب ہیں۔

راحت سلطانہ

نعت۔ لغوی اور اصطلاحی تفہیم

نعت' عربی زبان کا لفظ ہے جو عام طور پر تعریف' صفت' ثنا اور خصوصاً رسول اللہ صلعم کی تعریف کے لیے مستعمل ہے۔ اگر اس لفظ کے لغوی مفہوم کی تلاش میں عربی لغت نگاروں کے خیالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ''تاج العروس'' کے مصنف نے اس لفظ پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس مادہ کی مختلف نحوی صورتوں کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''نعت کے معنی وصف کے ہیں۔ خصوصاً جب کسی چیز کے وصف میں مبالغہ سے کام لیں تو اس وقت نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وصف میں جو کچھ کہا جائے اسے بھی نعت ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وصف بیان کرنے والے کو ناعت کہتے ہیں''(۱)۔

عربی لغات میں لفظ نعت اور اس کی دوسری نحوی صورتوں کے جو مفاہیم ومطالب سامنے آتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

۱۔ ''نعت'' کسی چیز کو بیان کرنا۔

۲۔ ''نعت''،''نیعت''،''نعتا''۔ اوصاف بیان کرنا خصوصاً تعریف میں۔

۳۔ ''نعت''۔ صفت، وصف، جوہر، ہنر، تعریف، خاصیت، گُن

۴۔ ''نعت'' کسی شئی کی خوبیوں کا بیان جب کہ اس کے وصف میں مبالغہ کیا جائے۔

۵۔ ''نعت' نعتاً۔ بہ تکلف عمدہ صفات دکھانا۔

۶۔ ''نعت' خلقتاً عمدہ صفات والا ہونا۔

۷۔ النعت (صفت) مثلاً المنعت من الخیل۔ تیز رفتار ہونا گھوڑ دوڑ میں سبقت لے جانے والا گھوڑا'

۸۔ اسی طرح صرف ونحو میں صفت کو موصوف کے ساتھ ملانا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف بھی نعت کے مفاہیم میں شامل ہے۔

قرآن مجید میں اس مادہ ''نعت'' کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ البتہ بعض مفسرین نے قرآن کی تشریح وترجمہ میں اس لفظ کو وصف کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شمائل نبوی میں نعت کا لفظ مختلف نحوی اور صرفی صورتوں میں استعمال ہوا ہے۔ احادیث نبوی میں یہ لفظ مطلق اظہار اور بیان محض سے لے کر عام اشیاء وافراد کی تعریف، صفت، حالت، کیفیت، صورت حال، خصوصیت، علامت اور کسی چیز کی خاصیت یا کسی شخص کے حلیہ کے بیان میں استعمال ہوا ہے۔ اسی مفہوم کی رعایت اور نسبت سے یہ لفظ مقامات محمود مثلاً سدرۃ المنتہیٰ اور مسجد اقصیٰ کی تعریف وتوصیف میں ملتا ہے اور اسی حوالے سے بعض صحابہ کرامؓ کے اوصاف اور دین اسلام اور اس کے ارکان یعنی نماز وغیرہ کی تعریف میں بھی نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال اور قرأت کی تعریف اور حضورؐ کی مدح کے ضمن میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے (۲)۔

مطالعہ حدیث ہی کی روشنی میں بعض شارحین ومفسرین حدیث نے اپنی تحریروں میں نعت کو مطلق وصف سے نکال کر اسے آنحضرت صلعم کی توصیف وتعریف سے وابستہ کیا ہے۔

فارسی زبان میں نعت کا مفہوم:۔

لغت فارسی میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ فرہنگ آموزگار میں اس کا مطلب ''ستائش'' وصف 'صفت' بتایا گیا ہے (۳) اور منتخب اللغات'' میں '' صفت و وصف کردن (۴) ہے جب کہ غیاث اللغات میں '' تعریف ووصف کردن از منتخب'' بعد میں مصنف نے لکھا ہے کہ

'' اگر چہ لفظ نعت بمعنی مطلق وصف است لیکن اکثر استعمال این لفظ بمعنی مطلق ستائش وثنائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ است'' (۵)۔

اردو میں لفظ نعت کا مفہوم:

اردو لغات میں اگر چہ عربی وفارسی کی پیروی میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور ثنائے رسول صلعم دونوں معنی میں آیا ہے۔ لیکن جیسا کہ مرتب نور اللغات نے لکھا ہے۔ '' یہ لفظ بمعنی مطلق وصف ہے۔ لیکن اس کا استعمال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ستائش وثناء کے لیے مخصوص ہے (۶)۔

اردو زبان وادب میں مطلق وصف کے معنی میں اس کا استعمال قریب قریب ناپید ہے۔ اس کی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ عربی سے فارسی اور پھر فارسی سے اردو کے آغاز تک یہ لفظ وصفِ مطلق کے عمومی معنی سے نکل کر آنحضرت صلعم کی تعریف ومدح کے مفہوم کے لیے مخصوص ہو چکا ہے اور لفظ محض کے بجائے ایک مخصوص ادبی شعری اصطلاح کے طور پر رواج پا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی جدید لغات میں اس لفظ کے صرف اصطلاحی معنی ہی درج ہیں۔ مثلاً '' اردو لغت'' میں نعت کا مطلب اصطلاحی حوالے سے درج ہے۔ مرتب لغت لکھتے ہیں'' وہ نظم جو رسول اکرم صلعم کی شان میں کہی جائے'' (۷)۔

یعنی اردو لغت' زبان وادب اور شعر میں لفظ'' نعت'' کے معنی سرکار دو عالم رحمۃ العالمین حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف ہی کے مفہوم سے منسوب ومختص ہیں (۸)۔

نعت کا موضوع:

بادی النظر میں نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان معلوم ہوتا ہے کہ نعت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا کا نام ہے لیکن اگر عربی' فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ سرمائے کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کی نئی جہتیں منکشف ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مدح نعت کا اہم موضوع ہے اور اس صنف کے آغاز ہی سے اسے اس کے مرکزی عنصر اور محور کی حیثیت حاصل رہی ہے چنانچہ عام طور پر نعتوں میں آپ کی سیرۃ مبارکہ کی صفت وثنا' جمال ظاہری' شجاعت وسخاوت' دیانت وامانت' صداقت وعدالت کے ساتھ ساتھ آپؐ کے باطنی حسن کی تعریف' خلق وہدایت کا بیان' حسب ونسب' اصحاب وآل کی توصیف اور دیگر انبیاء کے مقابلے میں آپ کی فضیلت کا بیان مذکور ہوتا ہے۔ اس صنف اور اس جہت سے ہٹ کر جو عربی زبان کے ابتدائی نعتیہ سرمایہ کا خاص ہے بعد کی نعت یہ شاعری خصوصاً عجمی شعراء کی نعتوں میں شاعر کے احساسات بھی نعت کے مضامین میں شامل ہونے لگے۔ مدینہ منورہ سے دوری کا احساس ہجری کی کلفت' صبا وہوا کو قاصد بنانا اور اس کے ذریعہ تحیۃ وسلام دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گزارنا وغیرہ بھی نعت میں داخل ہوگئے۔ اسی ضمن میں عرض ومناجات استغاثہ ور استمداد کے مضامین بھی نعتوں میں بار پانے لگے۔ پھر زماں ومکاں کی تبدیلیوں اور انقلابی صورت حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کے نئے رہنمایانہ پہلو اور امکانات ظاہر ہونے لگے جس کے نتیجے میں نعت گو شعراء نے آپ کی ذات والا صفات کے مقدس حوالوں سے تہذیب اور سماجی اور معاشی' معاشرتی اور اکتسابی' سیاسی اور تاریخی' غرض ان گنت موضوعات ومضامین کو مشرف بہ نعت کیا۔ چنانچہ ہم عصر نعتوں میں موضوعات کی یہ بوقلمونی اور کثیر الجہتی بہ آسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس طرح نعت کا دائرہ مدح سے پھیل کر ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل اور مسلمانوں کے قومی اور ملی محسوسات کو محیط ہوگیا اور اس میں انسانی وآفاقی تصورات ونظریات کے مختلف ابعاد نہایت سلیقے کے ساتھ سمو لیے گئے۔

ہم عصر نعتوں کے مزاج ورجحان کے بغور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آج کی نعت اپنے مرکزی موضوع (مدحِ رسولؐ) سے منسلک رہتے ہوئے کائنات بھر کے مسائل کا احاطہ کررہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں نعت کا موضوع ارتقاء پذیر اور وسعت طلب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مضامین میں عہد بہ عہد وسعت پیدا ہورہی ہے۔ زماں ومکاں کی بدلتی ہوئی صورت حال اور انسان کی علمی ترقیوں کے ساتھ ساتھ رسول اللہ سیرت طیبہ' آپؐ کی تعلیمات اور نئی انسانی تہذیب ومعاشرت اور سیاست مدنیت کے جدید نظام میں ان کی اہمیت' افادیت اور معنویت کے حوالے سے نئے موضوعات نعت کی زینت بن رہے ہیں۔ یوں نعت کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔

مذکورہ بالا پس منظر میں نعت گوئی کی تعریف میں ترمیم کرتے ہوئے اس گنجائش کو وسیع کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ چنانچہ نعت گوئی کا جدید تصور یہ ہے کہ ہر وہ کلام نعت ہے جس کا تاثر ہمیں رسول اللہ کی ذات اقدس سے قریب لائے۔ یہی صورت موضوعات ومضامین کی بھی ہے۔ یعنی ہر وہ موضوع یا مضمون جو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر آنحضرت کی ذات گرامی ،صفات عالیہ اور سیرت طیبہ سے نسبت وانسلاک رکھتا ہو نعتیہ کلام میں شامل ہے۔ اسی طرح تمدن ومعاشرت' معاشیات واقتصادیات تہذیب وثقافت اور عمرانیات وسیاست غرض کسی بھی شعبہ حیات کا کوئی بھی مسئلہ یا کوئی بھی موضوع جسے آنحضرتؐ کے حوالے سے نظم کیا جائے نعت کا موضوع کہلائے گا۔ اس طرح حضور اکرم کی نسبت حوالے کے سبب سینکڑوں نئے موضوعات اور نئے مضامین نعت کے دائرے میں آگئے ہیں۔

مذکورہ الصدر حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نعت متنوع موضوعات اور کثیر الجہت مضامین کی حامل صنف ہے۔ اس میں رسول اللہ کی مدح وتوصیف کو محوری ومرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن نعت گو شعراء نے اس محور سے پیوست رہتے ہوئے۔ اپنے زمانے کے مزاج ومحول۔ درپیش حالات اور عصری تقاضوں کو بھی نعت میں شامل کیا ہے۔ صدر اسلام

کے عرب نعت گو شعراء سے لے کر عہد حاضر کے نعت گو شعراء کے شعری سرمایے کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نعت کا موضوع مسلسل ارتقاء پذیر موضوع ہے اور اس میں ہر دور کے تقاضوں، تمدن ومعاشرت وعلمی ترقیوں کے مطابق نئے امکانات اور نئی جہتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قصیدہ۔ مثنوی اور بعض دیگر اصناف سخن کے برخلاف نعتیہ شاعری کی روایت نہ صرف باقی وبرقرار ہے بلکہ اس میں توسیع وتسلسل کے بھی توانا اور طاقت ور امکانات بالفعل موجود ہیں۔

نعت میں ہیئتی تنوع:

نعت ایک موضوعاتی صنف سخن ہے یعنی اس کے موضوع سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔ اس کے لیے کوئی ہیئت یا ساخت مخصوص نہیں ہے۔ اس میں پابندی صرف داخلی پہلو یعنی مواد اور موضوع میں کی جاتی ہے۔ اس میں مضامین ومفاہیم کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ربط وانسلاک ضروری ہے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات سے عقیدت ومحبت، ذکر سیرۃ طیبہ، نسل انسانی پر آپ کے احسانات اور آپ کے شمائل واخلاق وغیرہ کا بیان نعت کے دائرے میں آتا ہے۔ موضوع کی پابندی اور مضامین کا التزام ہی درحقیقت نعت ہے۔ خواہ اس کے لیے پیرایہ اظہار کچھ بھی ہو۔ اگر موضوع ومضامین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہم رشتہ نہیں تو پھر یہ نعت نہیں ہے۔ جہاں تک نعت کے خارجی پہلو کا تعلق ہے اس کے لیے کسی مخصوص ہیئتی ڈھانچے کا التزام نہیں ہے۔ زبان وادب کے کسی بھی پیرایہ اظہار، اسلوب بیان، طرز اور ہیئت میں نعت کہی جا سکتی ہے۔ اس لیے ماہرین فن نے نثر پاروں کو بھی نعت ہی میں شمار کیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور مدح وستائش کی گئی ہو۔ لیکن عام طور پر نعت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم مدح ہی کی جاتی ہے۔ شاعری میں بھی نعت کا موضوع کسی ایک صنف کا پابند نہیں ہے۔ آپ کی تعریف اور توصیف اور سیرۃ اقدس کا بیان شاعری کی کسی بھی صنف اور ہیئت میں ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

شعرائے نعت کے مضامین کے لیے اپنے دور کی تمام متداول اشکال اور ہیئتوں کو اختیار کیا ہے۔ شاعری کی جتنی اصناف ہیں تقریباً ہر ایک میں نعت لکھی گئی ہے۔

غزل:

چونکہ اردو شاعری کی نہایت مقبول صنف رہی ہے اس لیے اس صنف کو نعت کے لیے بھی دیگر اصناف کی بہ نسبت کثرت سے استعمال کیا گیا۔ اردو میں نعتیہ شاعری کا تقریباً95 فیصد سرمایہ غزل کے فارم میں ملتا ہے۔ محمد قلی سے لے کر دور حاضر کے عبدالعزیز خالد تک تقریباً تمام شعراء نے غزل کی ہیئت میں نعتیں لکھی ہیں۔

غزل کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کے لیے دوسری مقبول صنف قصیدہ ہے جو ہیئتی اعتبار سے غزل ہی کی مانند ہے چونکہ قصیدہ مدح وتعریف کے لیے مخصوص ہے اس لیے اس میں نعت گوئی کی ایک طویل روایت ملتی ہے۔ عربی زبان میں تو نعتوں کا تقریباً کل سرمایہ قصائد ہی پر مشتمل ہے۔ فارسی میں بھی نعتیہ شاعری کا ایک وقیع اور وافر حصہ قصیدے کی شکل میں ملتا ہے۔ عربی اور فارسی کی تقلید میں شعرائے اردو نے بھی قصیدے میں نعتیہ مضامین کا اظہار کیا ہے۔ چونکہ اس میں مدحت طرازی کی بڑی گنجائش ہوتی ہے لیکن عصر حاضر میں قصیدہ کا رجحان تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

غزل اور قصیدے کے بعد نعت کے موضوع کے لیے بکثرت استعمال ہونے والی صنف مثنوی ہے جس کی کچھ خاص خوبیاں مثلاً تسلسل بیان، قوافی کا تنوع ردیف کی آزادی روانی و تسلسل وغیرہ نعتیہ مضامین کے اظہار وابلاغ میں ممد ومفید ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان میں نعت گوئی کے اولین نقوش اور ابتدائی دور کا بڑا سرمایہ مثنوی ہی کی ساخت میں تخلیق ہوا ہے۔ دکنی کے نورنامے۔ مولود نامے اور معراج نامے وغیرہ بھی مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔

مذکورالصدر اصناف کے علاوہ نعتیہ مضامین کے اظہار کے لیے اردو شاعری کی دیگر اصناف بھی مروج ومستعمل رہیں۔ اگرچہ بلحاظ کمیت ان ہیئتوں میں مرقوم نعتوں کا سرمایہ غزل

دمثنوی کی بہ نسبت قلیل ہے۔ نعت گوئی کے لیے شعراء نے اپنی ضرورت اظہار و ابلاغ اور تجربات کے مزاج کے اعتبار سے مختلف اصناف سخن مثلاً رباعی' قطعہ' مستزاد' ترجیع بند' مخمس' مربع' مثلث اور فردیات وغیرہ کی ہیئتوں کو اختیار کیا ہے۔ اسی طرح مرثیہ' سلام' سہرا اور لوری وغیرہ بعض ایسی شعری اصناف بھی استعمال کی ہیں۔ جو موضوعاتی اصناف کے دائرے میں آتی ہیں۔ ان میں بھی نعتوں کا وافر ذخیرہ ملتا ہے۔ مراثی کی تکنیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ذکر میں استعمال ہوئی ہے۔ سلام کا اسلوب آپؐ پر درود وسلام بھیجنے کے لیے اور سہروں اور لوریوں کا انداز میلاد ناموں میں استعمال کیا گیا ہے۔ مذکور الصدر ہیئتی اور موضوعاتی شعری اصناف کے علاوہ ہندوستان کے مخصوص تہذیبی اور لسانی پس منظر اور اس کے شعری وادبی تحرکات کے سبب بعض شاعروں نے گیت' راگ اور دوہے کے انداز میں بھی نعتیں لکھی ہیں جو کافی مقبول بھی ہوئی ہیں۔

عصر حاضر میں جب کہ انگریزی ادب کے زیر اثر اردو زبان میں بھی نئی نئی نثری اور شعری اصناف متعارف ہوئی ہیں تو نعتیہ مضامین کے اظہار کے لیے بھی شاعروں نے انگریزی کی بعض مخصوص شعری ہیئتوں کو استعمال کیا ہے جن میں سانٹ نظم معریٰ' آزاد نظم' نثری نظم اور کینٹو اہم ہیں۔ اسی طرح عالمی ادب میں جاپانی صنف سخن ہائیکو کا چرچا ہوا تو اردو شعراء نے اس صنف کو بھی نعت کے لیے استعمال کیا علیم صبا نویدی ان شعراء میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں جنہوں نے سانٹ اور ہائیکو کی ہیئتوں میں نعتیہ شاعری کے مجموعے مرتب کیے ہیں۔

نعت گوئی کے لوازمات:

نعت گوئی کا فن بظاہر نہایت آسان' سادہ اور عام معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت مروجہ اصناف سخن میں نعت نہایت مشکل صنف سخن ہے۔ سرکار دو عالم کی شان اقدس میں ذرا سی لغزش خیال اور عدم موزونیت الفاظ' ایمان اور عمل کو غارت کردیتی ہے۔ نعت کے موضوع اور فن کے نازک پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔
اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا
ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ نعت میں دونوں جانب سخت
حد بندی ہے'' (۹)۔

واقعہ یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت کو حدود کفر میں داخل کرسکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے۔ غلو ضلالت کا اور عجز بیان اہانت کا سبب ہوسکتا ہے۔ اسی لیے نعت گوئی کو اساتذہ فن نے پل صراط سے تعبیر کیا ہے۔ جس پر بڑی احتیاط اور ہوش مندی سے چلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے اس فن سے بعض خصوصی لوازم اور مقتضیات بتلائے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ عشق رسولؐ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کو نعت کے لوازمات میں اساسی درجہ حاصل ہے۔ شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپؐ سے والہانہ عقیدت وشیفتگی رکھتا ہو۔ وہ جس قدر آپؐ کے عشق میں سرشار ہوگا اسی قدر اس کے کلام میں کیف واثر پیدا ہوگا۔ عشق رسولؐ کے بغیر موثر اور کیفیت انگیز نعت نہیں لکھی جاسکتی۔ نعت گوئی کی دل آویزی اور خوبی کے لیے عشق رسولؐ اولین شرط ہے۔ ذوق وشوق کی کیفیتوں میں ڈوب کر گزرنے کے بعد جب نعت کی لَے میں عشق اور الفاظ کی ڈھڑکنیں ہم آہنگ ہوجاتی ہیں تو شعروں میں سوز وگداز تڑپ اور نشتریت کی تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ حفظِ مراتب کا خیال: تخلیق نعت میں حدود شریعت کی پاسداری لازمی ہے۔ خدا اور بندے کے اور الوہیت ورسالت کے فرق کو پیش نظر رکھنا حفظِ مراتب کے دائرے میں آتا ہے۔ اور یہی اس فن کا نہایت پیچیدہ اور نازک مقام ہے۔ بقول معین الدین احمد ندوی:

''اس راہ میں سب سے بڑی لغزش الوہیت ونبوت کی حدود کو سمجھنے میں ہوتی
ہے۔ اکثر شعراء نبوت کے ڈانڈے الوہیت سے ملادیتے ہیں'' (۱۰)۔

۳۔ نبوت اور عبدیت کا کمال: نبوت عبدیت کا کمال اس میں نہیں ہے کہ بندے اور نبی کو خدا بنا دیا جائے۔ بلکہ اس کا اصلی کمال یہ ہے کہ نبیؐ جامۂ بشریت میں رہتے ہوئے عبدیت اور نبوت کا ایسا کامل نمونہ ہو کہ اس کے بعد کمال کا کوئی درجہ تصور میں نہ آسکے۔ اس موقع پر یہ نکتہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ نعت رسولؐ میں حالت سکر کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہا گیا ہے ع

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

شاعر نعت گوئی کے منصب سے صحیح طور پر اسی وقت عہدہ برآ ہوسکتا ہے جب وہ توحید ورسالت اور الوہیت وعبودیت کے نازک رشتوں کا پوری طرح ادراک رکھتا ہو۔

۴۔ادب واحترام: فن نعت گوئی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ ساتھ انتہائی ادب واحترام بھی ضروری شرط ہے۔ جس کی تاکید قرآن اور احادیث میں متعدد موقعوں پر آتی ہے۔ نعت میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے یا آپ کو مخاطب کرتے ہوئے اس ادب واحترام کو ملحوظ رکھنا فرض ہے جس کا حکم قرآن نے دیا ہے۔ کیوں کہ بارگاہ رسالتؐ مقام ادب ہے اور ادب رسولؐ ہمارے ایمان کا خاصہ ہے۔ نعتیہ مضامین کے اظہار وپیشکش میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام لازمہ ہی نہیں بلکہ لازمہ ایمان بھی ہے۔ یہاں موضوع یا طرز ادا میں کسی قسم کی بے باکی نہ صرف خطا بلکہ ناقابل معافی گناہ بھی ہے۔

۵۔مضامین: نعت میں وہی ذکر ہونا چاہیے جو اللہ کے رسول کے شایان شان ہو اور جس کے پڑھنے سنانے سے لوگوں پر روحانی اور اخلاقی اثرات مرتب ہوں اور معلوم ہو کہ کمال بشریت اسے کہتے ہیں، نہ یہ کہ تمام نعتیہ اشعار سننے کے بعد یہ اثر پیدا ہو کہ یہ کسی شاہد رعنا' خوش رو اور نازک بدن کی تعریف ہے۔

نعت کے ادب واحترام کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ایسے مضامین سے بھی اجتناب کیا جائے جن سے دیگر انبیاء کی توہین وتنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔ اگر چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر شرف وفضیلت حاصل ہے۔ مگر اس کے اظہار میں ایسے پیرائے اور تقابل سے گریز کرنا

چاہیے جس سے دوسرے انبیاء کی شان میں گستاخی یا توہین کا احتمال ہوتا ہو۔ کیوں کہ دوسرے انبیاء کی توہین گم رہی اور کفر کے مترادف ہے۔

۶۔طرز اظہار: نعت کے طرز اظہار و بیان میں شائستگی اور خوش سلیقگی کا وہ انداز ہونا چاہیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کا مظہر ہو۔ بعض نعت گو شعراء نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معشوق' نازنین فرض کرکے آپؐ کے سراپا کی تفصیل بیان کی ہے یہ۔ انداز کلام ناپسندیدہ اور سوئے ادب کا پہلو رکھتا ہے۔ آپ کے شمائل و محاسن بیان کرتے وقت وقار ومتانت اور تعظیم وتقدیس کی روش اختیار کرنی چاہیے۔ مختصر یہ کہ نعتیہ اشعار مضامین غزل سے صاف مہمیز ہوں۔

۷۔انتخاب الفاظ: طرز ادا ہی سے متعلق ایک اور نازک مقام نعت میں الفاظ کے استعمال کا ہے۔ نعت کی فضاء چونکہ غزل سے مختلف ہے۔ لہذا موضوع کی مناسبت سے الفاظ کے انتخاب میں بھی ایک پاکیزگی اور شائستگی کا احساس کارفرما ہونا چاہئے۔ آنحضرتؐ سے وابستگی اور شیفتگی کا شرف اس بات کا متقاضی ہے کہ نعت میں ایسے کسی بھی لفظ کے استعمال سے پرہیز کیا جائے جس سے کسی گستاخی' غیر شائستگی یا سوقیانہ پن کا اظہار ہوتا ہے۔

۸۔تشبیہ و استعارات: تخلیق نعت میں لازمی ہے کہ تشبیہات واستعارات کے استعمال میں بھی موضوع کے آداب واحترام کا خاص خیال رکھا جائے اور ایسی تشبیہ اور استعارے سے اجتناب کریں جس سے نعت کی پاکیزگی اور شائستگی متاثر ہوتی ہو۔ نعت گوئی میں تغزل کا رنگ اور غزل کے مخصوص عدائم و رموز نیز تشبیہات واستعارات کا استعمال ایک حد تک روا ہے۔ مگر عامیانہ اور سوقیت سے گریز لازمی ہے۔

۹۔انداز خطاب: ۔نعت گوئی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے موقع پر ذہن وفکر پر یہ احساس طاری رہے کہ لب ولہجے میں آپؐ کے منصب عالی کا پورا پورا احترام ہو۔ اور کوئی ایسا لفظ یا پیرایہ خطاب نہ اختیار کیا جائے جس سے شان رسالت مآبؐ میں گستاخی کا احتمال ہو۔

یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیتے ہوئے بھی کمال درجہ کے مودبانہ اسلوب اور پیرایہ احترام کی ضرورت ہے۔ اساتذہ فن اور صوفیائے کرام نے اس لازمہ نعت کی اہمیت وفضیلت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ تا بحد امکان نامِ والا کی بجائے اسماء صفات آئیں۔

حوالے حواشی:

(۱) تاج العروس۔ الزبیدی۔ جلد اول ص ۵۹۳

(۲) المعجم المفہرس الالفاظ الحدیث النبویؐ۔ ص ۲۸۳۔۲۸۴

(۳) فرہنگ آموزگار۔ حبیب اللہ آموزگار ص ۷۷۴

(۴،۵) منتخب اللغات (حاشیہ غیاث اللغات) ص ۴۔۵

(۶) نور اللغات۔ مولوی نور الحسن نیر کاکوری۔ جلد چہارم ص ۶۸۱

(۷) اردو لغت۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی۔ ص ۷۳۴

(۸) آہنگ حجاز۔ چودھری فضل حق۔ ص ۷

(۹) مولانا احمد رضا بریلوی۔ الملفوظ (حصہ دوم) ص ۔۳۔

(۱۰) شاہ معین الدین احمد، ادبی نقوش ص ۲۸۶۔

عربی میں نعتیہ شاعری

نعت عربی فارسی اور اردو شاعری کی ایک مقبول اور ہر دل عزیز صنف رہی ہے۔ بالخصوص فارسی اور اردو میں ہر چھوٹے بڑے شاعر نے اس صنف سخن میں داد فکر دی ہے۔ نعتیہ شاعری کے آغاز وارتقاء کا تحقیقی مطالعہ کرنے پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نعت گوئی کی روایت کا آغاز سب سے پہلے عربی زبان میں ہوا۔ عربی میں ماقبل بعثت دور میں بھی نعت گوئی کی روایت ملتی ہے۔ مثلاً حلیمہ سعدیہ اور ورقہ بن نوفل جیسے سلیم الطبع افراد نے آنحضرت کے مکارم میں اشعار کہے۔ بعثت کے بعد سے ہجرت تک کے دور میں بھی مختلف نیک طینت لوگوں نے آپ کی مدح وستائش کی۔

طلوع اسلام کے بعد آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نے جن سلیم الطبع انسانوں کے قلوب کو منور کیا ان میں شعراء اور سخنور بھی شامل تھے۔ کافروں اور مشرکوں کے حلقوں میں جب اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سب وشتم اور تضحیک وتمسخر پر مبنی ہجویہ شاعری ہونے لگی تو اہل اسلام کے دل تڑپ اٹھے اور انہوں نے مخالفین کی اس یاوہ گوئی

کے جواب میں اسلام اور آنحضرت صلعم کی مدافعت اور آپ کی تعریف وتوصیف میں قصائد لکھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اعداء اسلام کی ہجو یہ شاعری کا جواب دینے کے لیے آنحضرت صلعم نے بنفس نفیس اہل اسلام کو متوجہ کیا۔ چنانچہ تاریخ الادب العربی کے مصنف احمد حسن زیارت نے حضور کی یہ روایت نقل کی ہے جس میں آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے خدا اور رسول کی مدد آلاتِ حرب سے کی ہے وہ اپنا نفسانی تعاون کیوں نہیں دیتے (۱)۔

امتثال امر میں اہل اسلام میں سے جن شعراء نے نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا ان میں حضرت حسان بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور کعب بن مالکؓ انصاری کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ ان میں حضرت حسان' قریش کے انساب کو اپنی ہجو کا موضوع بناتے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ قریش کو ان کے کفر وانکار پر رجز وتوبیخ کرتے اور حضرت کعب بن مالک کفار ومشرکین کو حرب وضرب سے خوف دلایا کرتے تھے۔

دربار رسالت سے نسبت وتوسل رکھنے والے نعت گو شعراء کی تعداد مختلف محققین کے ہاں مختلف ہے۔ یہ تعداد ۱۸۱ سے ۲۰۰ تک بیان کی جاتی ہے۔ جس میں بارہ خواتین بھی شامل ہیں۔

حضرت حسان کی کنیت ابوالولید اور باپ کا نام ثابت تھا۔ ان کا نسبی تعلق مدینہ منورہ کے مشہور قبائل نجار اور خزرج سے جا ملتا ہے۔ حسان کے والد ثابت اور دادا المنظر قبیلہ اوس و خزرج کے مقتدر افراد تھے۔ حسان کا ابتدائی زمانہ قبیلہ حزرج کے مغازی کے بیان اور غسانی بادشاہوں کی قصیدہ خوانی میں گزرا۔ آں حضرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حسان نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد وہ آپ کے ایسے والہ وشیدا ہوئے کہ اپنی ساری صلاحیتیں آپ کے لیے وقف کر دیں جس کا انعام یہ ملا کہ آپ کو سب سے پہلے شاعر دربار رسالت' اور شاعر اسلام کا خطاب ملا۔ اہل مکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انصاریوں کی ہجو کہتے تھے۔ آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا جن لوگوں نے رسول اللہ کی اپنے ہتھیاروں سے مدد کی ہے (یعنی انصار) انہیں اپنی زبانوں سے ان کی مدد کرنے میں اب

کوئی چیز مانع ہے تو حضرت حسانؓ آگے بڑھے اور کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کام کے لیے حاضر ہوں اور اپنی زبان کو پکڑ کر بولے کہ خدا کی قسم اب اس کے ذریعے بصرہ اور صنعا کے درمیان کسی دوسری بات سے مجھے خوشی نہ ہوگی۔ آپ نے یہ فرمایا کہ تم مکہ والوں کی ہجو کرو گے جب کہ میں بھی تو انہیں کا ایک فرد ہوں۔ حسان نے کہا کہ حضورؐ اس کی فکر نہ کریں میں آپ کو ان میں سے اس صفائی سے نکال لوں گا' جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اچھا جاؤ خدا جبرئیل کے ذریعہ تمہاری مدد کرے۔ اس کے بعد حضرت حسانؓ آنحضرتؐ کے مخالف مکی شعراء کے سامنے اپنی زبان و قلم سے سینہ سپر ہو کر آ گئے اور آپؐ کے وصال کے وقت تک اپنی زبانی تلوار سے میدان شعر و شاعری میں ڈٹے رہے اور آپ کی طرف سے مکہ والوں کو ایسے منہ توڑ جواب دیتے رہے کہ ان کے چھکے چھوٹ گئے' انہوں نے ہر موقع پر ہر اہم واقعہ کی مناسبت سے قصائد اور ہجویں لکھیں جس کی وجہ سے ان کا کلام اسلامی شاعری کا نمونہ ہی نہیں بلکہ ایک تاریخی دستاویز بھی ہے۔ حضرت حسانؓ نے بہت طویل عمر پائی۔ بعض روایت کے مطابق ۴۰ھ میں بعہد حضرت معاویہ اور بعض روایت کے مطابق ۵۴ھ کے آس پاس یعنی بعہد حضرت علیؓ ان کی وفات ہوئی۔

حسانؓ کو تمام شعراء پر تین باتوں میں تفوق حاصل ہے۔ وہ دور جاہلی میں انصار کے خاص شاعر نبوت ملنے کے بعد آنحضرت کے خاص شاعر اور ظہور اسلام کے بعد پورے یمن کے خاص شاعر تھے۔ وہ نہ صرف شاعر رسولؐ کے لقب سے سرفراز ہوئے بلکہ ان کی ذات سے اسلام میں بھی پہلی مرتبہ شاعر اور شعر کو اتنی اہمیت اور عزت ملی کہ آنحضرت نے اپنے ممبر سے حضرت حسانؓ کو اپنے اشعار سنانے کا موقع عنایت فرمایا۔ حضرت حسانؓ نے آں حضرتؐ کی مدح و توصیف فرمائی اور متعدد قصیدے لکھے ذیل میں ان کے کچھ اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

وضم الالہ اسم النبی الی اسمہ	اذا قال فی الخمس المؤذن اشہد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ	فذو العرش محمود و ہذا محمد

ترجمہ: حضور کی عظمت اور بڑائی کو کون پہنچ سکتا ہے کہ نہ صرف خدا نے آپ کے ذکر کو اپنے نام کے ساتھ پانچ وقت کی اذانوں میں اس طرح جوڑ رکھا ہے کہ کبھی چھوٹ ہی نہیں سکتا۔ بلکہ خدا نے آپ کا نام بھی اپنے نام ہی سے تراشا۔ چنانچہ وہ محمود ہیں اور آپ محمد۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کا دیوان ایشیا اور یورپ میں کئی مرتبہ چھپ چکا ہے اور اس کی متعدد شرحیں بھی نکل چکی ہیں۔

حضرت حسانؓ ہی کی طرح دربار رسالت کے دوسرے نام ور اور عظیم المرتبت سخنور کعب بن زہیرؓ (وفات تقریباً ۲۶ھ م ۶۴۵ء) ہیں۔

کعب سبعہ معلقہ کے مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمی کے بیٹے تھے۔ ان کا گھرانہ سارے عرب میں شعراء کی معدن خیال کیا جاتا تھا۔ ان کے خاندان میں یکے بعد دیگرے گیارہ بڑے شاعر پیدا ہوئے کعب نے فن شاعری کے رموز اپنے والد زہیر سے سیکھے۔ زمانہ جاہلی ہی میں شاعر کی حیثیت سے انہیں خاصی شہرت حاصل تھی۔ جب انہوں نے اسلام کے ابھرنے کے چرچے سنے تو تحقیق حال کے لیے اپنے چھوٹے بھائی بجیرؓ کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بجیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مامور ہوئے اور اسلام قبول کیا اور کعب بن زہیرؓ سے کیئے ہوئے وعدہ کو بھلا بیٹھے۔ کعبؓ کو جب پتہ چلا کہ ان کے بھائی مسلمان ہوگئے ہیں تو مارے غصے کے ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور انہوں نے اسلام اور آن حضرتؐ کی شان میں (نعوذ باللہ) ہجو کہنی شروع کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہجویہ قصیدہ سنا تو آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور آپ نے کعب کا خون [illegible] آن حضرتؐ نے مکہ فتح کرلیا۔ جس کے نتیجے میں بیشتر قبائل عرب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

کعب نے محسوس کیا کہ دربار رسالت سے ان کا خون حدر کردیئے جانے کی وجہ سے وہ سارے عرب میں اجنبی ہوگئے ہیں اور کوئی قبیلہ انہیں پناہ دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ اب بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے اسی لیے ۹ھ میں چپکے سے مدینہ منورہ پہنچے اور

آں حضرتؐ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ اسلام لانے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قصور معاف کر دیا اور انہیں امان دے دی۔ اس پر کعبؓ نے اپنا وہ مشہور مدحیہ قصیدہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جو اپنی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے عربی ادب کا شہ کار مانا جاتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قصیدے کو سماعت فرما کر اس قدر خوش ہوئے کہ اپنی چادر مبارک اتار کر ان کو اوڑھا دی۔ اسی وجہ سے اس قصیدہ کا امتیازی نام قصیدہ بردہ گویا چادر والا قصیدہ پڑ گیا۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے ؎

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اثرھا لم کیجز مسکبول

یہ قصیدہ ۵۸ اشعار پر محتوی ہے اس کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ جاہلی روایت کے مطابق تشبیب پر مشتمل ہے اس کے ۱۲ اشعار میں کعب نے اپنی محبوبہ سعاد کا سراپا کھینچا ہے۔ دوسرا حصہ جو ۲۰ اشعار پر مشتمل ہے شاعر نے اپنی اونٹنی کے رنگ و روپ طاقت اور تیز رفتاری کی تعریف کے لیے وقف کیا ہے۔ جو شاعر کو محبوبہ کی بستی میں پہنچاتی ہے۔ تیسرا حصہ جو در اصل اس قصیدہ کی جان ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت اور مہاجرین کی ستائش پر مبنی ہے۔ ذیل میں اس قصیدے کے وہ شعر نقل کئے جاتے ہیں جو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوتِ عالیہ پر مبنی ہے۔

ان الرسول لسیف یتضاء بہ مھند من سیوف اللہ مسلول

فی عصبتہ من قریش قال قائلھم ببطن مکتہ لما اسلموا زولول

زالواء فما زال انکاس ولا کشف عند اللقاء والامیل معازیل

شم العرانین البسطال لبوسھم من نسبح داؤد فی المیجا سرابیل

ان اشعار میں کعب بن زبیر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی وہ تلوار ہیں جو اپنی روشنی اور نور میں ہندوستان کی آب دار اور چمکیلی تلوار کی طرح ہیں۔ اس کے بعد مہاجرین کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہجرت کا حکم ملتے ہی اپنے گھر بار

سب کچھ چھوڑ کر خدا کی راہ میں نکل پڑے اور جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو بزدلی نہیں دکھائی اور نہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ عالی نسب اور اونچی ناکوں والے لوگ ہیں جو جنگ کے موقع پر بہت ہی مضبوط زرہیں پہن کر جنہیں گویا حضرت داؤدؑ نے بنایا ہے ان میں ٹوٹ پڑتے ہیں۔

کعب کے قصیدے بانت سعاد کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں اور اس کے ترجمے دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہوئے جیسے لاطینی' فرنچ' جرمن' انگریزی اور اطالوی وغیرہ حضرت کعب بن زہیر کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ (م ۹ھ) دربار نبویؐ کے تیسرے اہم شاعر ہیں۔

نام عبداللہ والد کا نام رواحہ تھا۔ کنیت ابو محمد اور ابورواحہ کرتے تھے۔ والد اور والدہ دونوں کی طرف سے نسبی تعلق مدینہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تھا۔ انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ستر انصاریوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ اسلام لانے سے قبل اپنی قوم میں بڑی حیثیت کے مالک تھے اور سردار قوم سمجھے جاتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد آنحضرت ان پر بڑی شفقت اور قدر منزلت فرماتے تھے۔ یہ ان تین شعراء میں ہیں جنہوں نے آں حضرتؐ اور اسلام کی طرف سے مکہ کے شاعروں کا جواب دینے اور اسلام کی مدافعت کرنے کا عہد کیا تھا۔ حضرت حسان اور حضرت کعب پر حضرت عبداللہ بن رواحہ کو یہ فوقیت حاصل تھی کہ اول الذکر صاحبین کے برخلاف یہ نوشت وخواند سے واقف تھے۔ اس لیے آں حضرتؐ نے انہیں اپنا کاتب یا منشی مقرر فرمایا تھا۔ دوسرا امتیاز یہ حاصل ہے کہ غزوہ موتہ میں مسلمانوں کی فوج کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کی زندگی جاہلیت میں بھی اور اسلام لانے کے بعد بھی بہت پاک وصاف گزری۔ وہ بڑے تقویٰ والے۔ صابر۔ بہادر اور شجیع تھے۔ مختلف غزوات وسرایہ میں حصہ لیا۔ آن حضرت جس طرح حسان کو عزیز رکھتے۔ اسی طرح عبداللہ بن رواحہ سے بھی بڑی انسیت تھی اور فرمائش کرکے ان سے بھی شعر سنتے تھے۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ مکہ والوں کا

مقابلہ کیا کرو اور اس طرح ان کو اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے والے شعراء میں شامل فرمایا ۔ وہ اہل مکہ کو ان کے کفر و شرک پر غیرت دلاتے رہتے تھے۔

کلام کا نمونہ درج ذیل ہے۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ	اذا انشق معروف من الفجر ساطع
یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ	اذا استثقلت بالکافرین المضاجع
ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا	بہ موقنات ان ما قال واقع

ترجمہ:

۱۔ ہمارے درمیان اللہ کے رسولؐ ہیں، جو اللہ کی کتاب اس وقت تلاوت کرتے ہیں جب صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔

۲۔ وہ راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ جسم پاک بستر سے علاحدہ رہتا ہے جب کہ مشرکین کے بوجھ سے بستر بھی پناہ مانگنے لگتے ہیں۔

۳۔ انہوں نے ہمیں ہدایت کی راہ دکھائی، جس کو پانے کے لیے ہمارے پاس آنکھیں نہ تھیں چنانچہ ہمارے دلوں کو پورا یقین ہے کہ آپ نے جو بھی فرمایا، وہ ہو کر رہے گا (۱۲)۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے کے بعد جن انصاری شعراء نے شعرائے مکہ کی ہجو گوئی کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و قلم سے مدافعت کرنے کی ذمہ داری لی ان میں حضرت حسان اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کے علاوہ کعب بن مالک (پیدائش ۲۵ق۔ھ، وفات ۵۰ یا ۵۵ھ) بھی شامل تھے ان کی پیدائش مدینہ میں ہوئی۔ اور جب کہ ان کی عمر ۲۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر انہوں نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ یہ بھی آں حضرتؐ کے فدائی و پرستار تھے۔ صاحب قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی تھے اور شجیع و بہادر بھی۔ چنانچہ غزوہ احد میں اس بے جگری سے

لڑے کہ جسم پر گیارہ زخم کھائے۔ مگر غزوہ تبوک کے موقع پر جہاد میں عدم شرکت کی وجہ سے یہ اور دیگر دو اور مسلمان موردِ عتاب قرار دیئے گئے چنانچہ مسلسل پچاس دن تک تمام مسلمانوں نے ان کا سماجی مقاطعہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کی بیوی بھی میکے بھجوادی گئیں آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور بذریعہ وحی ان کی براءت کا اظہار کیا۔

کعب نے ۷۷ سال کی عمر میں ۵۰ھ اور ۵۵ھ کے درمیان انتقال کیا۔

کلام کا نمونہ درج ذیل ہے۔

۱. فینا الرسول شهاب ثم يتبعه	نور مضی له فضل علی الشهب
۲. الحق منطقه' والعدل سیرته	فمن یجبه الیه ینج من تبت
۳ بدالنا فاتبعناه نصدقه	وکذبوه' فکنا اسعد العرب

ترجمہ

۱۔ ہمارے درمیان اللہ کے رسولؐ ایک درخشاں ستارہ کے مانند ہیں' جن سے روشنی کی ایک لو نکلتی ہے' جو سب کو روشن کر دیتی ہے اور دوسرے تمام ستاروں کو روشنی بخشتی ہے۔

۲۔ ان کی بات حق ہے' ان کی سیرت عدل ہے۔ جس نے ان کی پیروی کی ہلاکت سے نجات پا گیا۔

۳۔ وہ ہم میں ظاہر ہوئے۔ ہم نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے اتباع کی۔ دوسروں نے ان کو جھٹلایا' لہٰذا عربوں میں سب سے زیادہ خوش بخت ہم ہی تھے (۱۳)۔

مذکورہ بالا شعراء کے علاوہ خلفائے راشدین' سیدہ فاطمہؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب' حضرت عاتکہ' وغیرہ سے بھی نبی کریمؐ کی مدح میں بہت سا کلام منقول ہے۔ اسی طرح تابعین کے دور میں فرزدق نے بھی نعت گوئی اور منقبت اہل بیت میں شہرت حاصل کی۔ لیکن عربی زبان میں نعت گو شعراء کے سلسلے کی آخری کڑی جنہیں اس فن میں متقدمین و متاخرین سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی امام شرف الدین محمد بن سعید بوصیری (المتوفی ۶۹۷ھ) ہیں۔ ان کے نعتیہ سرمایہ میں حضرت کعب بن زبیر کے مشہور قصیدے بانت سعاد کے

معاوضے میں ایک طویل قصیدہ ذخرالمعاد' یہود ونصاریٰ کی تردید میں ۱۲۹۲ اشعار کا قصیدہ لامیہ' سرور عالم کی ایک پیشن گوئی کی تصدیق اور مدینہ کی آتشزدگی (۶۵۴ھ) کے بارے میں دالیہ' تقدیس الحرم من تدنیس الضرم اور قصیدہ حائیہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان قصائد کے علاوہ میمہ راسہ اور ہمزیہ بھی ان کے مشہور قصائد میں لیکن ان کا شاہکار قصیدہ ''قصیدہ بردہ'' ہے جو ادب میں ان کی شہرت دوام اور بقائے مدام کا ضامن ہے۔

قصیدہ بردہ کا اصل نام" الکواکب الدینہ فی مدح خیر البریہ "ہے۔ اس قصیدے کو بوصیری کی حین حیات ہی نہایت شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔ اور یہ قصیدہ بردہ کے نام سے معروف ہوا۔ اس قصیدے میں لفظی اور معنوی خوبیوں کی عجب کرشمہ سازی نظر آتی ہے۔ متعدد اہل قلم نے اس کی شرح لکھی ہے۔ اور اس کے فنی محاسن فصاحت و بلاغت صنائع وبدائع اور شعری خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ قصیدہ اب تک لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوچکا ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم اور شروحات لکھی گئی ہیں۔

امام شرف الدین محمد ساتویں صدی ہجری کے اختتام سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بعد آٹھویں صدی میں شہاب محمود الحلبی (متوفی ۷۲۵ھ) اور نباتہ مصری (متوفی ۷۶۸ھ) اہم نعت گوشعراء ہوئے ہیں۔ اسی طرح نویں صدی میں عبدالرحیم البرعی (متوفی ۸۰۳ھ) نے نعت گوئی میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ عہد جدید میں یوسف بن اسمٰعیل بنہانی (متوفی ۱۳۳۰ھ) اور احمد شوقی (متوفی ۱۳۵۱ھ) عربی میں نعتیہ شاعری کے نمائندہ شعراء ہیں جنہوں نے نعتیہ شاعری کو نئی جہات سے روشناس کرایا۔

حوالے وحواشی:

(۱۱) احمد حسن زیات' تاریخ الادب العربی۔ ص۔۱۴۹۔

(۱۲) عبداللہ بن عباس ندوی۔ عربی میں نعتیہ کلام۔ مکتبہ اسلام لکھنو ۱۹۴۷ء ص' ۷۷

(۱۳) ایضاً۔ ص' ۸۵

فارسی میں نعت گوئی کی روایت

عربی کے نعتیہ قصائد کی روایت' عہد صحابہؓ اور عہد مابعد صحابہ میں ایران پہنچی ایران کے فارسی شعراء نے بھی اپنی شاعری میں مدح رسولؐ کی روایت کو آگے بڑھایا۔ عجمی لہجے میں جب حجازی لے شامل ہوئی تو نعت کا ایک نیا اور اچھوتا اسلوب سامنے آیا۔ بارگاہ رسولؐ سے جدائی اور ہجر کا شدید احساس' دوری اور مجبوری کا کرب' زیارت مدینہ کی تڑپ اور ہیئتی تنوع اس اسلوب کی خاص خصوصیات بن گئیں۔ فارسی زبان میں جن شعراء نے نعتیہ شاعری کی روایت کو پروان چڑھایا' ان میں حکیم سنائی' جمال الدین اصفہانی' خاقانی' نظامی گنجوی' فریدالدین عطار' شیخ سعدی' عبدالرحمٰن جامی اور قدسی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں چار آخرالذکر اہم اور نمائندہ سخنوروں کی نعتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

خواجہ فریدالدین عطار (۵۱۳ تا ۶۲۷ھ): نیشاپور کے باشندے تھے۔ ان کے والد ابراہیم بن اسحاق عطاری کا پیشہ کرتے تھے۔ کاروبار کافی وسیع تھا۔ والد کے انتقال کے بعد انہوں نے کارخانے کو مزید ترقی دی۔ عام

روایات کے برخلاف تصوف اور فقر کے کوچے میں آنے کے بعد بھی وہ اپنے قدیم پیشہ میں مشغول رہے بلکہ اس کے علاوہ بڑے زور وشور سے طبابت بھی کرتے تھے۔ خواجہ صاحب نے بچپن میں قطب الدین حیدر نامی مشہور مجذوب سے اکتساب فیض کیا جو ان کے والد کے مرشد تھے۔ البتہ خرقہ فقر مجد الدین بغدادی سے حاصل کیا۔

خواجہ صاحب کی تصانیف متعدد ہیں جن میں دیوان غزلیات و رباعیات کے علاوہ عارنامہ مثنوی منطق الطیر اور تذکرۃ الاولیاء مشہور و معروف ہیں۔ ان کا بیشتر کلام تصوف و حکمت کی تعلیمات سے مملو ہے۔ جس کے درمیان میں نعتیہ اشعار اپنی ایک الگ بہار دکھاتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں تواضع وانکسار اور احساس عجز کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ نمونہ درج ذیل ہے ؎

گرچہ ضائع کردہ ام عمر از گناہ — توبہ کردم عذر من از حق بہ خواہ
اے شفاعت خواہ بینی تیرہ روز — لطف کن شمع شفاعت برفروز
از گنہ رویم مگر دانی سیہ — حق ہم نامی من داری نگاہ (۱)

سعدی شیرازی: شیخ سعدی کا پورا نام مشرف الدین تھا۔ ان کے والد مصلح الدین عبد اللہ شیراز کے بادشاہ اتابک سعد بن زنگی کے دربار میں ایک ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ اسی نسبت سے شیخ نے سعدی کا تخلص اختیار کیا تھا۔ سعدی ایک روایت کے مطابق ۶۰۶ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش بڑے ناز ونعم سے ہوئی۔ بچپن ہی میں انہیں داغ یتیمی و یسیری سے دوچار ہونا پڑا والدین کے انتقال کے بعد سعد بن زنگی نے ان کی سرپرستی کی اور انہیں تحصیل علم کے لیے بغداد کے مشہور مدرسہ نظامیہ میں داخل کیا۔ یہاں سعدی نے اپنے وقت کے مشہور شیوخ و اساتذہ کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔

چالیس سال کی عمر میں سعدی نے مدرسے کی ملازمت کو خیر باد کہا اور پوری بجمعی کے ساتھ سفر وسیاحت میں مشغول ہوگئے۔ انہوں نے دور دراز کے ممالک کی سیر کی جیسے یمن۔ عراق۔ عرب۔ حجاز' مصر' شام' شمالی افریقہ اور یورپ وغیرہ سیاحت کے سلسلے میں وہ ہندوستان

بھی آئے اور امیر خسرو سے ملاقات کی۔ ایک سیاح کی حیثیت سے انہوں نے نگر نگر کی خاک چھانی۔ خانقاہ میں بھی پہنچے اور خرابات میں بھی درباروں میں باریاب بھی ہوئے اور بازاروں میں آوارہ گردی بھی کی۔ اس طرح انہیں زندگی کے ہر پہلو کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آخر جب قویٰ مضمحل ہوگئے اور کمر ہمت نے جواب دیدیا تو انہوں نے ۶۵۴ھ میں وطن مالوف کا رخ کیا اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ عمر کے اس حصے میں انہوں نے تصنیف وتالیف کو مشغلہ حیات بنا لیا اور پوری تن دہی وتوانائی کے ساتھ فکر وفن اور علم وہنر کے مرقع تخلیق کرتے رہے۔ ۶۹۱ھ م ۱۲۹۱ء میں سعدی کا انتقال ہوا۔ شیراز میں مدفون ہوئے۔ سعدی سے ۲۳ تصانیف یادگار ہیں جن میں گلستان وبوستان ان کی شہرت عام اور بقائے دوام کی ضامن ہیں۔ سعدی نے اپنی تمام عمر کے تجربات، علم وہنر اور فکر ونظر کی بصیرت، زندگی کے حقائق اور سیر وسفر کے مشاہدات کا نچوڑ ان کتابوں میں قلمبند کیا ہے۔ دنیا کے اعلیٰ پایے کے اخلاقی اور حکیمانہ ادب میں ان کتابوں کا شمار ہوتا ہے۔

شعر وسخن کے سلسلے میں سعدی نے قصائد، غزلیات، قطعات، رباعیات اور مراثی کے علاوہ نعتیں بھی لکھی ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام عشق ومستی اور جذب وسرور کی خاص کیفیت سے مملو نظر آتا ہے۔ ان کا عربی نعتیہ قطعہ بلغ العلیٰ بکمالہ ساری اسلامی دنیا میں زبان زد خاص وعام ہے۔ ذیل میں ان کے فارسی کلام سے نعتیہ اشعار کے نمونے نقل کئے جاتے ہیں۔

کریم السجایا جمیل الشیم نبی البرایا شفیع الامم

امام رُسل پیشوائے سبیل امین خدا مہبط جبرئیل

شفیع الوری خواجہ بعث ونشر امام الھدیٰ صدر دیوان حشر

جامیؔ: نور الدین عبدالرحمٰن جامیؔ ۸۱۷ھ میں صوبہ خراساں کی ولایت جام کے ایک قصبے فرجرد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نظام الدین جام سے ہجرت کرکے اصفہان میں بس گئے تھے۔ وہاں سے وہ ہرات اور سمرقند بھی گئے۔ جامی کی تعلیم وتربیت انہیں مقامات پر ہوئی۔ تحصیل

علم کے بعد جامی نے طریق نقشبندیہ میں سعد الدین محمد کاشغری سے بیعت و خلافت حاصل کی۔
جامی نے آخری عمر میں شاعری ترک کر دی تھی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نویں صدی کے
سب سے بڑے شاعر و ادیب اور ایران کے آخری بڑے صوفی شاعر تھے جن کا شمار انوری' سعدی
اور مولانا روم وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جامی نے ۸۹۸ھ میں بمقام ہرات وفات پائی۔

جامی کی تصانیف میں دیوان کے علاوہ خمسہ نظامی کے جواب میں ہفت اورنگ کے نام
سے لکھی گئی سات مثنویاں سلسلتہ الذہب۔ سلامان و ابسال' تحفتہ الاحرار۔ سبحتہ الابرار۔ یوسف
زلیخا۔ لیلی و مجنون اور خردنامہ اسکندری شامل ہیں۔ وہ ایک پختہ کار نثر نگار بھی تھے۔ ان کی نثری
تصانیف میں نفحات الانس' لوائح' لوامع اور شواہد النبوۃ وغیرہ مشہور ہیں۔ جامی نے نعت گوئی میں
بھی کمال پیدا کیا۔ فارسی کے نعت گو شعراء میں انہیں میر کارواں کی حیثیت حاصل ہے۔

ذیل میں ان کے مشہور نعتیہ قصیدے سے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

خوشا کز گرد راہ سویت رسیدیم بدیدہ گرد از کویت کشیدیم

بہ مسجد سجدہ شکرانہ کردیم چراغت راز جاں پروانہ کردیم

زدیم از اشک ابر چشم بے خواب حریم آستانہ روضہ ات آب

قدسی: قدسی مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے دربار کے اولین ملک الشعراء تھے۔ ان کا پورا نام حاجی
محمد جان تھا۔ یہ مشہد کے رہنے والے تھے۔ ۱۰۴۲ھ میں ہندوستان آئے اور شاہ جہاں کے دربار
میں باریاب ہوئے ۱۰۴۵ھ میں انہوں نے شاہ جہاں کی تعریف میں ایک زبردست قصیدہ لکھا
جس کے صلے میں شاہ جہاں نے انہیں چاندی میں تلوادیا۔ اسی طرح ایک اور قصیدہ پر سات دفعہ
جواہرات سے منہ بھرا گیا۔ شاہ جہاں کے علاوہ قدسی کے متعدد قصائد جہانگیر کی مدح میں بھی
ہیں۔ ۱۰۵۶ھ میں قدسی کا انتقال ہوا۔ قدسی کو تمام انواع سخن پر قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے
بکثرت قصائد لکھے۔ مثنویاں بھی متعدد ہیں۔ غزلیات کا ایک مختصر دیوان ان سے یادگار ہے۔

ذیل میں قدسی کی ایک نعت بطور نمونہ پیش کی جارہی ہے۔ یہ نعت قدسی کے جذبات

محبت وعقیدت کی ترجمان ہے۔ سیدھے سادے انداز میں نبی اکرمؐ سے شیفتگی اور وابستگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن جذبات کے خلوص نے اس میں عجیب طرح کا زور اور تاثر پیدا کیا ہے۔ ادبی لطافتوں کے ساتھ فریفتگی اور جاں نثاری کا اتنا بھرپور اور مکمل اظہار بہت کم ملتا ہے۔

مرحبا سید کی مدنی العربی دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
من بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بو العجبی
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

حوالے وحواشی:

(۱) سید ابوالحسن علی ندوی' کاروان مدینہ لکھنو ۷۸ء ص ۱۶۳
(۲) ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران۔

دکنی میں نعتیہ شاعری

دکنی اردو میں تخلیقی ادب کا آغاز فارسی کی تقلید میں ہوا۔ دکنی شعراء نے نہ صرف فارسی شاعری کی پیروی کی بلکہ اصناف و موضوعات میں بھی فارسی کی خوشہ چینی کی۔ مثنوی' غزل' قصیدہ اور رباعی وغیرہ کی طرح نعت گوئی کی روایت بھی دکنی اردو کو فارسی کی دین ہے۔ دکنی میں تخلیق ادب کا آغاز مذہبی اور صوفیانہ منظومات سے ہوا۔ ان میں حمد و مناجات کے بعد نعتیہ اشعار لکھنے کی مستقل روایت تھی۔ مذہب اور تصوف کے بعد جب عشقیہ داستانوں پر مثنوی لکھنے کا رواج شروع ہوا۔ تو دکنی شعراء نے ان مثنویوں میں بھی حمد و مناجات کے بعد نعتیہ اشعار کا التزام رکھا۔ دکنی زبان میں نعت کے اولین نمونے حضرت خواجہ بندہ نواز' نظامی بیدری' شاہ میراں جی شمس العشاق کے ہاں ملتے ہیں۔ بعد کے دور میں شیخ احمد گجراتی' اسد اللہ وجہی' ملک الشعراء غواصی' محمد قلی قطب شاہ' عبداللہ قطب شاہ' ابن نشاطی' جنیدی اور فائز قطب شاہی دور کے اور جانم' حسن شوقی' مقیمی' رستمی' صنعتی'

عی عادل شاہ شاہی اور ملک الشعراء نصرتی' عادل شاہی دور کے اہم شعراء ہیں جن کے یہاں نعت گوئی کے خوبصورت نمونے ملتے ہیں۔ آئندہ اوراق میں ان شاعروں کی نعت گوئی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز :۔ حضرت گیسودراز کو دکنی نظم ونثر کا ابوالاباء خیال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ جدید تحقیق نے دکنی نثر کے مشہور رسالے معراج العاشقین سے خواجہ صاحب کے انتساب کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ تاہم قدیم بیاضوں میں مرقوم ان کی نظموں اور گیتوں کو یکسر رد نہیں کیا جاسکتا۔ خواجہ صاحب کا اصل نام سید محمد حسینی ہے۔ آپ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید وخلیفہ تھے۔ ۸۱۵ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں گلبرگہ آئے اور ۸۲۵ھ میں انتقال فرمایا (۱)۔ فارسی زبان میں آپ کی متعدد تصانیف دریافت ہوئی ہیں۔ جو تصوف وعرفان کے موضوع پر ہیں۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی نے ''دکن میں اردو'' میں حضرت گیسودراز کی دکنی شاعری کے نمونے پیش کیے ہیں جو انہیں پروفیسر آغا حیدر حسن کی مملوکہ ایک قدیم بیاض میں دستیاب ہوئے تھے۔ یہ نمونے حقیقت گیت کی ہیئت میں ہیں۔ ان میں ذیل کا گیت موضوع کے اعتبار سے نعت کے زمرے میں آتا ہے اور بشرط صحت انتساب اسے اردو کی پہلی نعت کہا جاسکتا ہے۔

اے محمد بجلو جم جم جلوہ تیرا ذات تجلی ہوئے گی بسیں سپورنہ تیرا
واحد اپنے آپ تھا اپیں آپ نجھایا پرگٹہ جلوہ کاڑنے الف میم ہوآیا
عشقوں جلوہ دینے کو کاف نون بسایا (۲)

خواجہ صاحب کے ایک اور حقیقت گیت کا درج ذیل بند بھی نعتیہ مضامین کو محیط ہے۔

اومعشوق بے مثال نور نبی پنایا انور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپیں دیکھا دنے کیسی آرسی لایا (۳)

نظامی :۔ نظامی کے حالات پردہ خفا میں ہیں تاہم اس کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کی داخلی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام فخر دین تھا ''کدم راؤ پدم راؤ'' اردو کی سب سے پہلی

مثنوی ہے جس کا واحد مخطوطہ کتب خانہ انجمن ترقی اُردو کراچی (پاکستان) کے گنجینہ نوادر کی زینت ہے۔ نظامی نے یہ مثنوی بہمنی خاندان کے نویں بادشاہ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد (۸۳۹ھ۔۸۲۵ھ) میں لکھی (۴)۔

اس مثنوی کے آغاز میں نظام نے حمد باری تعالیٰ کے بعد ''نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی سرخی کے تحت بائیس ابیات آنحضرتؐ کی مدح وستائش میں قلمبند کی ہیں۔ ذیل میں اس کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں ۔

تہیں ایک ساچا گسائیں امر	سرے دوے تین جگ توڑ آدکر
پچھا یا امولک رتن نور دھر	کہ تے ویل بلکت کرن راج کر
امولک مکت سیس سنسار کا	کرے کام نردھار کرتار کا
محمد جرم آر بنیاد نور	دوے جگر سرے دے پر ساد نور (۵)

نظامی نے اجمال کے ساتھ آنحضرتؐ کی ذات والا صفات۔ خلقت۔ حقانیت اور فیوض وبرکات کا ذکر کیا ہے۔

بہمنی سلطنت کے سقوط کے بعد دکن میں پانچ نئی خودمختار سلطنتیں وجود میں آئیں یعنی قطب شاہی' عادل شاہی' نظام شاہی' عماد شاہی' برید شاہی۔ نظام شاہی سلطنت ملک احمد بحری (نظام الملک) نے قائم کی۔ اس دور کا ایک شاعر اشرف بیابانی ہے جس نے واقعات کربلا کے موضوع پر ۹۰۹ ہجری میں ایک مثنوی ''نوسرہار'' لکھی۔ مثنوی کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ حمد کے بعد فخر موجودات سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں ۲۱ شعر پر مشتمل ایک نعت شریف موجود ہے۔ یہاں نوسرہار کے چند نعتیہ اشعار نمونتاً پیش کیے جاتے ہیں ۔

دو نہوں جگ کیرا سرور شاہ	دین محمد نیک پناہ
سارے عالم کا نبی	روز محشر کا شفیع
سگلے نبیوں کیرا میر	امت کیرا وو دستگیر

دکن کی برید شاہی سلطنت کا بانی قاسم برید تھا۔ اس نے اپنا پایہ تخت بیدر مقرر کیا۔ بہمنی سلطنت کے ساتویں فرماں روا امیر برید ثانی کے عہد (۱۰۱۰ ہجری تا ۱۰۱۸ ہجری) میں بیدر کے ایک شاعر پیار محمد بن عیسیٰ خاں جس کا تخلص قریشی تھا بھول بل کے عنوان سے جنسیات کے موضوع پر ایک مثنوی لکھی۔ یہ مثنوی ۱۰۲۳ ہجری کی تصنیف ہے۔ قریشی بیدری بہمنی دور کے شاعر فیروز بیدری کا مرید تھا۔ اس مثنوی کا آغاز بھی دکنی کی دوسری مثنویوں کی طرح حمد و نعت سے ہوتا ہے۔

سلام ہور درودان کے تحفے اپار — محمد نبی پر کیا حق نثار

سدا گال نس دن ہزاراں سلام — خدا تھے ہیں بے شک نبی کے مقام

ہمارے نبی کوں خدا جوں دیا — نہ بعضے نبی کوں نظر یوں کیا

شاہ میراں جی شمس العشاق: شاہ میراں جی شمس العشاق بہمنی خاندان کے آخری عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی میں ہی بہمنی خاندان کا شیرازہ بکھر گیا اور دکن میں یکے بعد دیگرے پانچ آزاد سلطنتیں وجود میں آئیں میراں جی شمس العشاق' شاہ کمال الدین بیابانی کے مرید و خلیفہ تھے جو جمال الدین مغربی کے واسطے سے حضرت گیسو دراز کے سلسلے میں تھے۔ میراں جی ایک بڑے صوفی بزرگ تھے۔ عوام کی تلقین اور مریدوں کی ہدایت کے لیے انہوں نے متعدد طویل و مختصر منظوم رسالے لکھے جن میں تصوف و سلوک اور حقیقت و معرفت کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ انہوں نے ۹۰۲ھ میں انتقال کیا (۶)۔ ان کی ایک عارفہ مثنوی شہادت التحقیق میں حمد کے بعد نعت کے اشعار ملتے ہیں جن میں سے چند ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

محمد نبی تیرا — اس پر ایمان میرا

نادرس دیں اس باج — سب عالم کیرا تاج

جو اس کی رخ آوے — سو تیرا درس پاوے (۷)

میراں جی نے چھوٹی بحر میں گیت کے سے انداز میں آنحضرت کی تعریف و مدح سرائی میں سیدھے سادے خیالات اور دلی جذبات بیان کیے ہیں۔

شیخ احمد گجراتی :۔ احمد گجرات کا باشندہ تھا۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کی دعوت پر وہ گجرات سے دکن آیا اور اس کے دربار سے متوسل ہوگیا۔ اس سے دو مثنویاں یادگار ہیں (۱) یوسف زلیخا۔(۲) لیلیٰ مجنوں۔

یوسف زلیخا ایک ضخیم مثنوی ہے اس میں اس نے حضرت یوسفؑ کے قصے کو نظم کیا ہے جسے قرآن میں احسن القصص کہا گیا ہے۔ مثنوی کے آغاز میں احمد نے حمد و مناجات کے بعد نعت سید المرسلینؐ کے یے ایک باب اور صفت شب معراج کے لیے ایک باب مختص کیا ہے۔ جن میں علی الترتیب ۴۳ اور ۶۸ اشعار ہیں۔ ذیل میں احمد کے نعتیہ اشعار کا نمونہ درج کیا جاتا ہے ۔

محمد جو رسول اللہ ہے وہ رسولاں انبیاں کا شاہ ہے وہ
وہ ہے راجہ دھوں جگ لشکر اس کا چلے فرمان سارے جگ پر اس کا
جو اس کی چھاؤں تل ہے عرش کی ٹھاؤں سودھرتی پر پڑے کس دھات چھاوں (۸)

اسد اللہ وجہی: ملک الشعراء ملا اسد اللہ وجہی ۔ وجہی گولکنڈہ کا ایک باکمال شاعر اور دکنی نثر کے ارتقائی سفر کا ایک سنگ میل تھا۔ اس کے سوانح و کوائف معرض خفا میں ہیں۔ اس کی مثنوی قطب مشتری (۱۰۱۸ھ م ۱۶۰۹ء) کا شمار نہ صرف دکنی بلکہ اردو زبان کی بہترین مثنویوں میں ہوتا ہے۔ جس میں شہزادہ قطب اور شہزادی مشتری کے عشق کی داستان کی نظم ہے۔ اس مثنوی میں وجہی نے مثنوی کی عام روایت کے مطابق حمد و مناجات کے بعد نعت کے عنوان سے ۱۲۶ ابیات قلمبند کی ہیں۔ جن میں اس نے آنحضرتؐ کے نعوت عالیہ اور محامدہ محکا نثرہ کا ذکر کیا ہے۔

اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے۔

محمد نبیؐ ناؤں تیرا اہے عرش کے اُپر چھاؤں تیرا اہے
کہ چودہ ملک کا توں سلطان ہے علی سا تیرے گھر میں پردھان ہے
اسی ہور یک لاکھ پیغمبر آئے ولے مرتبہ کوئی تیرا نہ پائے
چھپیا نور سب کا تیرے نور انگے کہ جیوں تارے چھپتے اہیں سور انگے (۹)

ملاغواصی : ملک الشعراء غواصی دکنی کا بلند مرتبت استاد سخن تھا۔ اس نے متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی جیسے مثنوی ۔ غزل ۔ قصیدہ۔ رباعی وغیرہ دیوان کے علاوہ اس سے چار مثنویاں یادگار ہیں (۱) مینا ست ونتی' (۲) سیف الملوک و بدیع الجمال' (۳) طوطی نامہ ۔ ''مثنوی طریقت'' ان مثنویوں میں اس نے مثنوی کی عام روایت کے تتبع میں حمد کے بعد نعت کا بھی التزام رکھا ہے اور بڑے معرکے کے نعتیہ اشعار کہے ہیں ذیل میں اس کی ان مثنویوں سے نعتیہ اشعار کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

میناستونتی

محمد نبی خاتم الانبیاء　شرف جس تے حق' جگ میں بھنڈدیا
منور کیا جگ کون اس نورسوں　دیا روشنی سب کو ل ان سورسوں
جکوئی رب کو ں مانے نمانے رسولؐ　نہیں دوست حق نہ کسی کن قبول (۱۰)

سیف الملوک بدیع الجمال

سچا توں محمد سچا مصطفیٰ　سچا ہے توں احمد سچا مرتضیٰ
توں طٰہٰ یٰسین تو ابطحی　توں امی توں تمی توں مرسل سہی
توں اول توں آخر تو ہی ہے امیر　تو ظاہر تو باطن نبی بے نظیر
خدا کے نبیاں کا سو سلطان توں　دیو نبر ساریاں کوں ایماں توں (۱۱)

طوطی نامہ

رتن خاص دریائے لولاک کا　جھمک لامکاں نور افلاک کا
محمد نبی سید المرسلین　سدا روشن اس تے ہے دنیا و دین
عدم میں تے عالم کوں پروردگار　اسی کے کیا نور سوں آشکار
رسول عرب ہو عجم آج وو　رسولاں کے سب سیس کا تاج وو (۱۲)

محمد قلی قطب شاہ (۹۷۳ھ۔۱۰۲۰ھ/۱۵۶۵ء۔۱۶۱۱ء)۔ محمد قلی قطب شاہ گولکنڈہ کی قطب شاہی

سلطنت کا پانچ واں فرماں روا تھا' یہ ایک پرگو اور قادر الکلام شاعر بھی تھا۔ اسے اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس کے ضخیم کلیات میں متعدد اصناف کے نمونے ملتے ہیں ان میں نعت بھی شامل ہے۔ نعت گوئی میں اس کا اجتہاد یہ ہے کہ اس نے غزل کی ہیئت میں نعتیں کہنے کا ڈول ڈالا۔ بعد کے زمانے میں یہی ہیئت نعت گو شعراء میں نہایت مقبول ہوئی۔

محمد قلی کے کلیات میں پانچ نعتیں ملتی ہیں۔ جو غزل کی ہیئت میں ہیں۔ ان نعتوں کے علاوہ اس کے دیوان میں مزید تیرہ نعتیں نظم کے فارم میں بھی ملتی ہیں جن میں میلاد النبیؐ۔ جشن میلاد۔ عید بعثت اور شب معراج کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان اصناف کے علاوہ محمد قلی نے دو نعتیہ رباعیاں بھی لکھی ہیں اور مستزاد یہ کہ اس نے اپنی بے شمار غزلیات کے مقطعوں میں آں حضرتؐ کے صدقے اور وسیلے کا سہارا لیا۔ ذیل میں اس کے چند نعتیہ اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

اسم محمد تھے اہے جگ میں سوخاقانی مجھے
بندہ نبی کا جم ہے کہتی ہے سلطانی مجھے
اس ناوں کی بڑپن جھنک ج سربلندی تا فلک
اَکیں سدا سارے ملک تو یوسف ثانی مجھے
تج مکھ اجت کی جوت تھے عالم دپن ہارا ہوا
تج دین تھے اسلام لے مومن جگت سارا ہوا
یک لک اسی پیغمبراں اچھے جگت میانے ولے
تج پر نبوت ہے ختم سب تھے توں ہی پیارا ہوا
چاند سورج روشنی پایا تمارے نور تھے
آب کوثر کوں شرف تھوڑی کے پانی چور تھے
اے معانی رات دن نام محمد ورد کر
تج دعا با مدعا ہے رتبہ منصور تھے

ابن نشاطی: ابن نشاطی کا پورا نام شیخ محمد مظہر الدین شیخ فخر الدین ہے (۱۳)۔ یہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد سے تعلق رکھتا ہے اس نے ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۵ء میں بساتین الانس نامی ایک فارسی قصے کو بنیاد بنا کر پھول بن کے نام سے ایک عشقیہ مثنوی لکھی۔ اس مثنوی کے آغاز میں اس نے حمد ومناجات کے بعد فی النعت سید المرسلین خاتم النبی کے عنوان سے نعت کے انتیس شعر لکھے ہیں جو فن اور عقیدت کا شاہ کار ہیں ذیل میں اس کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

کروں میں لے قلم ہات ابتدا نعت　　سچے حق کے پیمبر کا ادا نعت

محمد پیشوا ہے سروراں کا　　اہے سرخیل سب پیغمبراں کا

تیری تعریف کا اونچا ہے پایا　　خدا قرآن میں تجکوں سرایا

شب معراج ہے تج مہہ سوں روشن　　فلک کا سبز ہے تج شہہ سوں گلشن (۱۴)

جنیدی: احمد جنیدی بقول ڈاکٹر زور عبداللہ قطب شاہ کے عہد کا شاعر تھا۔ اس کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئے۔ اس نے ۱۰۶۴ھ ۔۱۶۵۳ء میں ماہ پیکر کے نام سے ایک مثنوی لکھی۔ اس مثنوی میں حمد کے بعد جنیدی نے سرور عالمؐ کی بارگاہ میں اکتیس ابیات پر مشتمل نعت کا ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں۔

الٰہی بنا یا توں آخر زماں　　کہ ہے مصطفیٰ دو جہاں رہنماں

محمد نبی تاج پیغمبراں　　سپہ دین کے سرور سروراں

محمد نبی ہور رسول خدا　　درود ہور سلام اس پہ برحق ہوا (۱۵)

فائز: فائز گولکنڈے کے آخری تاجدار سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے حالات معرض خفا میں ہیں۔ اس نے ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء میں رضوان شاہ وروح افزاء کے نام سے ایک مثنوی لکھی جو اس کی واحد ادبی یادگار ہے۔ فائز نے اسے فارسی نثر سے دکنی نظم میں منتقل کیا ہے۔ اس مثنوی میں حمد کے بعد اس نے آنحضرت کی شان میں بائیس نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ ذیل میں اس کے چند اشعار بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں۔

ہمارے نبی کا ہے پایا رفیع　　مقدم شفیعاں ہو ہے یو شفیع

سکل انبیاء کا ہے سرتاج توں　　چیا محرمیت سوں معراج کوں

عرش پر لکھ ناؤں تیرا الہ　　ملائک نبوت ہو تیرے گواہ (۱۴)

سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۸۳ھ) محمد قلی قطب شاہ کا نواسہ اور سلطان محمد قطب شاہ کا بیٹا تھا۔ اس نے ۹۷ غزلوں پر مشتمل ایک دیوان اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ یوں تو سلطان عبداللہ قطب شاہ کی ہر غزل کے مقطع میں ''نبی صدقے اور علی صدقے'' کے الفاظ التزاماً پائے جاتے ہیں۔ تاہم اس کے دیوان میں تین نعتیں بھی موجود ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ کی نعتوں میں ایک طرف سادگی اور تاثر کی فراوانی نظر آتی ہے تو دوسری طرف اس میں نغمگی اور موسیقیت کا احساس بھی پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر زور کا بیان ہے کہ عبداللہ قطب شاہ نے ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کی ''کتاب نورس'' کے جواب میں موسیقی کے موضوع پر ایک کتاب منظوم کی تھی شاید اسی لیے اس کے کلام میں مختلف راگ، راگنیوں اور موسیقی کے آلات کا ذکر بار بار ملتا ہے۔ موسیقی کا احساس پیدا کرنے کے لیے اس نے نعتوں میں بھی ہم قافیہ الفاظ کا بطور خاص اہتمام کیا ہے۔ یہاں سلطان عبداللہ کی نعتوں کے چند اشعار نمونتاً پیش کئے جاتے ہیں۔

کہہ فیض سوں پھر آیا' دن دین محمدؐ کا　　آفاق صفا پایا' دن دین محمد کا

اسلام کرا تارا آیا جو نکل بھارا　　چھپ کفر گیا سارا' دن دین محمد کا

نوعید جمن ساجے' نصرت کے بجیں باجے　　ہے جگ کے نبی راجے دن دین محمد کا

خدا پیغمبری دے کر محمد کوں جو سرجیا　　فلک کا بر زمین آیا جگ ایماں اس پر لیایا

... کہ چاند ماریں ستارے ایتیں واریں　　نہ تھی اس پوجنے ہاریں کہ وو اوتار ہو آیا

شاہ برہان الدین جانم (م۔۹۹) یہ شاہ میراں جی شمس العشاق کے فرزند و خلیفہ تھے۔ اپنے دور کے صوفیائے کبار میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے بھی اپنے والد کی طرح متعدد شعری اور نثری رسالے لکھے جن میں وصیت الہادی' منفعت الایمان' کلمۃ الحقائق اور ارشاد نامہ وغیرہ اہم

ہیں۔ ارشاد نامہ ان کی سب سے طویل اور اہم نظم ہے جس میں انہوں نے تصوف و معرفت کے مسائل بیان کیے ہیں۔ اس کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کے اشعار ملتے ہیں چند شعر درج ذیل ہیں ؂

ختم نبوت جس کا نام بھیجن درود ہور سلام

اب میں سنوروں کروں بکھان نازل ہوا جس فرقان

احمد محمد جس کا نانوں روز قیامت اس کی چھانوں (۱۷)

شاہ برہان الدین جانم کی دیگر نظموں میں بھی جہاں تہاں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔

حسن شوقی (م ۱۶۳۴ء): حسن شوقی احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت کا درباری شاعر تھا۔ ۱۶۰۰ء میں نظام شاہی سلطنت کے انقراض کے بعد اس نے عادل شاہی دربار کا رخ کیا (۱۸)۔ سلطان محمد عادل شاہ نے اس کی پذیرائی کی اور اسے ۱۰۴۳/۱۶۳۳ء میں بیجاپور کے سفیر کی حیثیت سے گولکنڈہ روانہ کیا۔ حسن شوقی اپنے دور کا مسلم الثبوت استاد تھا۔ اس کی دو مثنویاں فتح نامہ نظام شاہ (تصنیف ۹۷۲ھ/۱۵۶۴ء) اور میزبانی نامہ کے علاوہ ۳۱ غزلیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ مثنوی فتح نامہ نظام شاہ میں جس کا موضوع جنگ تالی کوٹ میں حسین نظام شاہ کے کارناموں کا بیان ہے اس مثنوی میں حسن شوقی نے حمد کے ساتھ صرف دو نعتیہ اشعار قلمبند کیے ہیں جو درج ذیل ہیں ؂

محمد نبی کوں دیا سروری ختم ہوئی جنن پر سو پیغمبری

سوقربان دو جگ اس نول لال پر درود اوس کے اصحاب ہور آل پر (۱۹)

مقیمی: مرزا محمد مقیمی کے حالات پردہ تاریکی میں ہیں۔ یہ بیجاپور کے سلطان محمد عادل شاہ کا متوسل تھا۔ یہ ایرانی النسل تھا لیکن دکن ہی میں ۱۰۱۰ھ/۱۰۱۵ھ م (۱۶۰۱ء۔۱۶۰۶ء) کے درمیان پیدا ہوا اور (۱۰۷۵ھ۔۱۰۸۰ھ) (۱۶۶۴ء۔۱۶۶۹ء) کے درمیان انتقال کیا (۲۰)۔ اس نے ۱۰۳۵ھ اور ۱۰۵۰ھ کے درمیان چندر بدن اور مہیار کے نام سے ایک مثنوی لکھی (۲۱) یہ بیجاپور کی پہلی عشقیہ مثنوی ہے۔ اس مثنوی کے آغاز میں مقیمی نے حمد و مناجات کے بعد تیسرے باب میں ”در نعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے عنوان سے بارہ اشعار لکھے ہیں۔ ذیل میں نموناً چند اشعار

نقل کیے جاتے ہیں۔

دو جگ کا خلیفہ خدا کا رسول | ہوا دین جس کی بقا پر قبول
دو جنگ کا ہے سلطان امین بتول | ہوا ہے بقا جس ازل تے وصول
سماتا ارض میں جو پیدا اچھے | زنعت محمد میں شیدا اچھے
شرف پایا امت نے یٰسین سوں | بھی طہٰ وتمجید و تمکین سوں

رستمی: کمال الدین خان رستمی بیجاپور کے فرماں رواں سلطان محمد عادل شاہ کے دربار کا شاعر تھا۔ اس کا باپ اسمٰعیل خاں بھی عادل شاہی دربار میں دبیری کی خدمت پر فائز تھا اور اسے خطاط خان کا خطاب حاصل تھا۔ رستمی نے محمد عادل شاہ کی ملکہ خدیجہ سلطان کی فرمائش پر ابن حسام کے فارسی خاور نامہ کا دکھنی میں ترجمہ کیا۔ رستمی کا خاور نامہ تقریباً چوبیس ہزار اشعار کو محیط ہے۔ یہ دکھنی کی سب سے ضخیم مثنوی ہے جو اٹھارہ ماہ کی محنت کے بعد ۱۰۵۹ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس مثنوی میں حضرت علیؓ کی فرضی رزم آرائیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ خاور نامہ کے ابتدائی ابواب میں حمد ومناجات کے بعد نعتیہ اشعار ہیں جن میں آنحضرتؐ کی تعریف کے علاوہ معراج کا بیان اور مدینہ منورہ کی صفت بھی بیان کی گئی ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں۔

جو کے ضرب روضہ اس محترم | او کی ہوا اس کوں یثرب حرم
صفا مروہ دائم ہے اس سی تھی | یو حج عمرہ ہے اسم اس کا بھی
دھرے شرع سرتاج شاہا تھیں | سزاوار یٰسین و طہٰ تھیں
فلک ہے سومنڈپ تری قدر کا | زمین تخت ہور فرش ہے صدر کا (۲۲)

صنعتی: محمد ابراہیم خاں صنعتی بیجاپور کے سلطان محمد عادل شاہ کے دربار کا ایک شاعر تھا اور علی عادل شاہ کے دور میں بھی حیات تھا (۲۳)۔ اس کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئیں۔ اس کی دو مثنویاں دستیاب ہوئی ہیں۔

(۱) قصہ بے نظیر (۲) گلدستہ۔

قصہ بے نظیر ۱۰۵۵ھ/۱۶۴۵ء کی تصنیف ہے۔ اس میں صنعتی نے حضرت تمیم انصاری صحابیٔ رسول کے عجیب وغریب اور حیرت انگیز واقعات بیان کیے ہیں۔ اس مصنوئی میں حمد کے بعد نبی کریمؐ کی نعت میں ۷۶ ابیات قلمبند کی گئی ہیں جن میں آپ کے اوصاف حمیدہ کے علاوہ معراج کا بیان بھی نظم کیا گیا ہے۔ چند شعر بہ طور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں ؎

نبی کریم شفیع امین ۔۔۔ رسول خدا رحمت العالمین

کہ جس سر پو لولاک کا تاج ہے ۔۔۔ سواس کوں عرش آپی محتاج ہے

ثنا جس کی بولیا ہے سبحان نے ۔۔۔ سوطہٰ و یٰسین و قرآن میں (۲۴)

علی عادل شاہ ثانی شاہی (۱۰۶۷۔۱۰۸۳/۱۶۵۶ھ تا ۱۶۷۲ء): علی عادل شاہ ثانی، شاہی بیجا پور کے عادل شاہی خاندان کا آٹھواں حکمران تھا۔ شعر گوئی کا شوق اس کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اس نے علوم وفنون اور شعروسخن کی بڑی سرپرستی کی۔ اس کے دربار سے بے شمار علماء وفضلا شعراء اور مورخ وابستہ تھے۔ شاہی نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ اس نے قصیدے مثنویاں اور غزلیں بھی لکھیں اور مراثی۔ گیت۔ کبت اور دوہرے بھی کہے۔ شاہی کے مطبوعہ کلیات سے پچاس شعر کا ایک نعتیہ قصیدہ ملتا ہے۔ جس کی تشبیب بہاریہ ہے گریز کے بعد مدح کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں ؎

محمدؐ سا نہیں پیدا کیا کرتار جگ میں ۔۔۔ اسی کے عشق نے سنسار تر جگ کا بھرایا ہے

شریعت ہور حقیقت کا عنایت سب کیا سائیں ۔۔۔ بڑا رتبہ دے عالم میں کرم اپنا جتایا ہے

شریعت کا ہے مسطر توں حقیقت کا ہے مظہر توں ۔۔۔ ترے بن جو چلے گا راہ گمراہ ان کہوایا ہے

فرشتیاں کا نہ تھا تدان تھا نورسو تیرا ۔۔۔ ترے ادے محشر لگ جگت کے سر چڑھا ہے (۲۵)

نصرتی: محمد نصرت نصرتی سلطان علی عادل شاہ ثانی کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ اس کا باپ شاہی سلحدار تھا۔ نصرتی کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ اس نے ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں شہادت پائی۔ نصرتی سے درج ذیل تصانیف یادگار ہیں (۱) گلشن عشق (۲) علی نامہ (۳) تاریخ اسکندری

(۴) دیوان نصرتی۔

گلشن عشق (۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء) ایک عشقیہ مثنوی ہے جس میں منوہر اور مدھ لتی کی داستان نظم کی گئی ہے۔ اس مثنوی میں حمد ومناجات کے بعد نصرتی نے تیسرے باب میں آں حضرت ؐ کی نعت اور چوتھے باب میں معراج کا بیان نظم کیا ہے۔ نعت کے چند شعر یہ ہیں۔

زہے نامور سید المرسلین — کہ آخرہ ہے شافع المذنبین

ادا ہوں نہ حمد احد کے بچن — نہ راکھیں جگ مدح احمد میں من

عجب آفرینش کے دریا کا دُر — کہ جس نور تے بحر ہستی ہے پُر

نصرتی کی دوسری مثنوی علی نامہ (۱۰۷۶ھ/۱۶۶۵ء) ہے جس میں نصرتی نے علی عادل شاہ ثانی کی مختلف جنگی مہمات۔ رزم آرائیوں اور ظفریابیوں کا حال بیان کیا ہے۔ یہ ایک طویل رزمیہ مثنوی ہے۔ پھول بن کی طرح اس مثنوی میں بھی حمد ومناجات کے بعد نصرتی نے ایک باب سید المرسلین ؐ کی بارگاہ میں ہدیہ نعت اور مابعد باب میں معراج کا بیان رقم کیا ہے۔ نعت کے چند شعر ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

تہیں ہے شہنشاہ دنیا و دیں — شجاعت کے صف کا ہے کرسی نشیں

شرف کوں دلیری کے ہے سینہ صدر — دیاہت کمر تیغ کوں توں قدر

دُرائی تری ہفت اقلیم میں — فلک سرنگوں تیری تعظیم میں (۲۶)

اوراق ماسبق میں مذکورہ مشہور شعراء کے علاوہ گیارھویں اور بارھویں صدی ہجری کے دوران دکن کے بے شمار مذہبی میلان رکھنے والے یا صوفی شعراء نے مختلف عنادین سے نعتیہ ادب تخلیق کیا ہے۔ جیسے مولودنامہ۔ معراج نامہ۔ نورنامہ۔ شمائل نامہ۔ وفات نامہ وغیرہ اور ان کے نعتیہ تصانیف کے اسماء کی فہرست دی جاتی ہے۔

معظم بیجاپوری (معراج نامہ ۱۰۹۰ھ) بلاقی حیدرآبادی (معراج نامہ ۱۰۵۳ھ)

عالم (وفات نامہ ۱۰۸۷) احمد (نورنامہ ۱۰۹۹) مختار (معراج نامہ ۱۰۸۳)

فتاحی (مولود نامہ ۱۰۹۵ھ) ہاشمی (معراج نامہ ۱۰۹۸ھ)
عبدالحمد ترین (شمائل نامہ قبل ۱۱۵۰ھ) شاہ عنایت (نور نامہ ۱۱۱۱ھ)
شفیق اورنگ آبادی (معراج نامہ) قربی ویلوری (معراج نامہ)
علی بخش درد (وفات نامہ ۱۱۱۱ھ) ولی ویلوری (وفات نامہ) (شیدا اعجاز احمدی)

باقر آگاہ (ہشت بہشت) یہ فہرست بطور مشتے از خروارے قلمبند کی گئی ہے۔ ورنہ گیارھویں بارھویں اور تیرھویں صدی اور مابعد زمانے میں دکن کے شعراء میں نعتیہ شاعری کی روایت نہایت مقبول رہی۔ اور بعض شعراء نے صرف نعتیہ شاعری ہی میں فکر سخن کی کسی اور صنف کو منہہ نہیں لگایا۔ بعض شعراء نے تبرکاً نعتیں لکھیں۔ اور بعض شعراء نے نعت گوئی پر بھی دیگر اصناف کے برابر توجہ کی۔ عہد حاضر کے ایسے ہی شعراء میں علیم صبا نویدی بھی شامل ہیں جن کے نعتیہ شاعری کے اکتساب کے پس منظر میں ارض دکن کی تقریباً تین صد سالہ نعتیہ شاعری کی روایات کا ورثہ اور شعور کارفرما ہے۔

حوالے وحواشی:

(۱) عبدالجبار خاں صوفی۔ تذکرہ اولیائے دکن۔
(۲) نصیرالدین ہاشمی۔ دکن میں اُردو ص ۵۴
(۳) عبدالحق۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ص (۱۹۔۱۸)
(۴) ڈاکٹر جمیل جالبی مرتب مثنوی کدم راؤ پدم راؤ دہلی ۱۹۷۳ء مقدمہ ص ۱۶
(۵) ایضاً ص ۷۳۔۶۹۔
(۶) جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اُردو۔ جلد اول ص ۱۶۷
(۷) مولوی عبدالحق قدیم اردو۔ ص
(۸) سیدہ جعفر۔ یوسف زلیخا۔ ص ۲۰۳ اور ۲۰۶۔
(۹) وجہی۔ قطب مشتری مطبوعہ (۷)
(۱۰) غواصی۔ مینا ستونتی۔ ص ۲۶۔
(۱۱) غواصی۔ سیف الملک بدیع الجمال ص ۴۔۸

(۱۲) غواصی ۔طوطی نامہ۔ص ۳
(۱۳) محمد اکبرالدین صدیقی ۔ پھول بن ۔ بیورو ایڈیشن ص ۱۳
(۱۴) پھولبن مرتبہ عبدالقادر سروری حیدرآباد ۱۳۰۷ءص (۱۰۔۷)۔
(۱۵) ماہ پیکر (مطبوعہ) حیدرآباد ۱۹۸۶ءص (۸۰)۔
(۱۶) رضوان شاہ وروح فزاء (مطبوعہ) حیدرآباد ۱۹۵۶ءص (۶۔۳)۔
(۱۷) ارشاد نامہ۔ مرتبہ مولوی اکبرالدین صدیقی ص ۱۳۱
(۱۸) جمیل جالبی ۔ مرتبہ دیوان حسن شوقی کراچی ۱۹۷۱ء مقدمہ ص (۵)
(۱۹) جمیل جالبی ۔ مرتبہ دیوان حسن شوقی کراچی ۱۹۷۱ء مقدمہ ص ۱۷
(۲۰) اکبرالدین صدیقی ۔ مرتبہ چندر بدن ومہیار حیدرآباد ۱۹۵۶ء مقدمہ ص (۱۹)
(۲۱) جمیل جالبی ۔ تاریخ ادب اُردو جلد اول ۔ ص ۲۳۲۔
(۲۲) کمال خاں رستمی ۔ خاور نامہ (مطبوعہ) کراچی ۱۹۶۸ءص ۱۲۔
(۲۳) دکن میں اُردو ص ۱۹۴۔
(۲۴) قصہ بے نظیر (مطبوعہ) حیدرآباد ۱۹۳۸ءص ۷۔
(۲۵) کلیات شاہی' مرتبہ مبارزالدین رفعت ۔ حیدرآباد ۱۹۶۲ءص ۱۰۶۔۱۰۵
(۲۶) علی نامہ (مطبوعہ) حیدرآباد ۱۹۵۹ءص ۸ و نیز ۱۲۔۱۰

اُردو میں نعتیہ شاعری

جہاں گیری و جہاں بانی کے مقصد سے شمالی ہند میں مسلمانوں کی فاتحانہ آمد اور قیام حکومت کا زمانہ جنوبی ہند کی بہ نسبت کافی قدامت رکھتا ہے۔ لیکن قدیم اردو میں تخلیق ادب کی اولیت کا سہرا دکن کے سر ہے۔ اس کے پیچھے متعدد تاریخی اسباب اور سیاسی عوامل کارفرما رہے ہیں۔ جس کی تفصیل غیر ضروری طوالت کا باعث ہوگی۔ البتہ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دکن کی طرح شمالی ہند میں بھی اردو کی ابتدائی نشوونما صوفیائے عظام کی نظر کرم کی مرہون ہے۔ ذیل میں شمالی ہند کے بعض اولین صوفی شعراء کی نعتیہ شاعری کے نمونے درج کیے جاتے ہیں۔

غلام قادر شاہ (م۱۱۷۶ھ): پنجاب کے صوفی شاعر تھے۔ ''رمز العشق'' ان کی عارفانہ مثنوی ہے۔ اس کے ابتدائی اشعار کے علاوہ ان کی ایک پوری غزل نعت کی صنف میں ملتی ہے۔ اس میں انہوں نے ساری کائنات میں نور محمدی کی تجلیات کی ضیاء پاشی دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

سب دیکھو نور محمد کا سب دیکھو نور محمد کا سب پیچ دیکھو نور محمد کا سب دیکھو نور محمد کا

وہ نقطہ علم ازل کا ہے' وہ اول ہر اول کا ہے وہ مجمل ہر مجمل کا ہے سب دیکھو نور محمد کا

وہ منشاسب اسماء کا ہے' وہ مصدر سب اشیاء کا ہے وہ سیر ظہور خفا کا ہے سب دیکھو نور محمد کا

پنجاب ہی کے ایک اور عارف باللہ **شیخ محمد حاجی**' شیخ فاضل الدین بٹالوی (م ۱۱۵۱ھ) سے بیعت تھے ان کی بھی ایک نعتیہ غزل دستیاب ہوئی ہے جس کا نمونہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ۔

کنت کنزاً مخفیاً تھا تب کہے یہ بھید نہ پایو رے

فاحببت ان اعرف چاہ تب آدم بھیکھ بنایو رے

کہا آپؐ کوں انا من نور اللہ اور خلق سبھی کو من نوری

تم سیانے سبھی بچار کرو پھر دوسرا کوں سمایو رے

امام بخش قادری بھی اسی عہد کے شاعر تھے انہوں نے بھی شیخ محمد حاجی کی زمین میں ایک نعتیہ غزل لکھی ہے جس کا درج ذیل شعر قابل توجہ ہے ۔

من رانی فقدرائ الحق سمجھ لو احمد میم

رب سے آپ ہی عرب بنیو پھر ظاہر احد کہایو رے

شمالی ہند میں اردو نعت کے قدیم نمونے ریختہ یا ملمع کی شکل میں بھی ملتے ہیں جن میں آدھا مصرع فارسی یا عربی ہوتا ہے اور آدھا مصرع اردو میں اس کے چند نمونے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ **شیخ ابوالفرح' محمد فضل الدین بٹالوی** (م ۱۱۵۱ھ) کی درج ذیل نعت میں پہلے مصرعوں کے آخر میں عربی ٹکڑے بہ طور ردیف کے لائے گئے ہیں ۔

ناہیں مرا چھٹ تم کوئی انظر بحالی یا نبیؐ ہے رین دن غفلت پڑی النظر بحالی یا نبیؐ

اس فضل سوں راکھو مجھے من عزل درجات الصفا

فریاد کرتا ہر گھڑی النظر بحالی یا نبیؐ

شیخ عثمان جن کا زمانہ گیارھویں صدی کی ابتدا کا ہے اپنی ایک نعت میں ہندی اور فارسی ٹکڑوں

کی مرصع کاری اس طرح کرتے ہیں۔

عاشق دیوانہ ام آؤ پیارے حبیبؐ ازہمہ بیگانہ ام آؤ پیارے حبیبؐ

اے نظرت آفتاب برمن مسکیں بتاب جان وجگر شد کباب آؤ پیارے حبیبؐ

اس دور کے علماء اور شعراء نے مذہبی کتب اور مثنویوں کے آغاز میں نعتیہ اشعار لکھنے کا خاص اہتمام کیا۔ چنانچہ **مولانا عبدی** (بعہد عالمگیر) نے اپنی تصنیف "فقہ ہندی" (۱۰۷۴ھ) کی ابتداء میں حمد کے بعد نعتیہ اشعار بھی لکھے ہیں۔

علم شریعت نال کے بھیجا پاک رسول جو کچھ بھیجا رب تمں سب ہم کیا قبول

یارب اپنے فضل سوں بے حد بھیج درود نبی محمد مصطفیٰ تجھ سوں ہو خوشنود

عبدی کی طرح **شیخ اسماعیل** پانی پتی (۱۰۵۴ تا ۱۱۲۳) نے بھی اپنی مثنویوں "وفات نامہ بی بی فاطمہ" اور "معجزہ انار" کے آغاز میں حمد کے بعد نعتیہ اشعار التزاماً لکھے ہیں۔ ذیل میں ان مثنویوں سے کچھ نعتیہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

کہوں نعت اب میں محمد رسول دوعالم صدق دل سیں کیجو قبول

محمد نبی ہیں گے دریتیم ازل سے ابدتک ہوئے مستقیم

سبھوں پر جو سردار ہیں مصطفیٰؐ شفیع دن قیامت کے ہیں مجتبیٰ

پڑھیا نعت جو میں کہیا دل کہ زود نبی آل پر پاک بولوں درود

(وفات نامہ بی بی فاطمہ)

محمد سبھوں پر کیا نامدار جتی شئے انوں سے کیا کامگار

محمد نبی ہیں کریم وشفیع مراتب سبھوں پر کیا ہے رفیع

اول کچھ نہ تھا جد نبی جو کیے نبوت کا چھترا نوں سردیے

(معجزہ انار)

صوفیا کی خانقاہوں کے بعد دہلی میں شاعری کا آغاز حاتم وآبرو اور ناجی و یکرنگ سے

ہوتا ہے لیکن اس دور میں شعراء کی توجہ ایہام گوئی اور رعایت لفظی پر رہی اس لیے ان شعراء کے ہاں نعتیہ شاعری کے نمونے نہیں ملتے۔ البتہ میر و سودا کے عہد میں جب اردو میں شاعری کے اسالیب متعین ہو گئے تو نعتیہ عناصر بھی مختلف اصناف میں اپنا نور دکھانے لگے۔ ذیل میں شمالی ہند کے اہم اور نمائندہ شعراء کے کلام سے نعتیہ شاعری کا منظر نامہ تشکیل دیا گیا ہے۔

سودا: مرزا محمد رفیع سودا (م ۱۱۹۵ء) شمالی ہند کے اولین استادِ سخن ہیں جنہوں نے نعتیہ شاعری کو اپنے افکار و تخلیق کا حصہ بنایا۔ وہ بنیادی طور پر قصیدہ گو شاعر تھے۔ انہوں نے نبی اکرمؐ کی نعت میں بھی قصیدے لکھے۔ ایک نعتیہ قصیدے کا مطلع یہ ہے۔

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

اڑتالیس پرشکوہ ابیات پر مشتمل یہ قصیدہ ڈاکٹر طلحہٰ رضوی برق کے بقول شمالی ہند میں اردو کی باضابطہ نعتیہ شاعری کا ابتدائی نمونہ ہے (۱) تشبیب و گریز کے بعد سودا نے دین محمدی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کا بیان اس طرح کیا ہے۔

زہے دین محمد پیروی میں اس کے جو ہوویں — رہے خاک قدم سے اس کی چشم عرش نورانی
ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی — امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی
خیال خلق اس کا گر شفیع کافراں ہووے — رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی
حدیث من رانی دال ہے اس گفتگو اوپر — کہ دیکھا جس نے اس کو ان نے دیکھی شکل یزدانی

یہ قصیدہ اپنی معنوی خوبیوں اور فنی محاسن کی بدولت نہ صرف سودا بلکہ اردو کے نعتیہ قصائد میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسلوب کی انفرادیت اور زور بلاغت نے اسے فارسی کے بہترین قصیدوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ سودا کے کلیات میں ایک اور قصیدہ بھی آنحضرت کی نعت میں ہے اس میں نعت کے ساتھ حضرت علیؓ کی منقبت بھی شامل ہے۔ قصائد کے علاوہ سودا کی بعض مثنویوں اور غزلیات میں بھی نعتیہ اشعار پائے جاتے ہیں۔ ان کے کلیات کی دوسری

غزل مکمل طور پر نعتیہ مضامین پر مشتمل ہے۔اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؂

دلا دریائے رحمت قطرہ ہے آب محمدؐ کا   جو چاہے پاک ہو پیرو ہو اصحابؓ محمدؐ کا

زمین و آسماں ہو کیوں نہ روشن نور سے اس کے   کہ ہے اک پر تو خورشید مہتاب محمدؐ کا

ہوا کیا کچھ ہے اہل بیت پر سودا نہ دم مارا   خدا بن کون ہے آگاہ آداب محمدؐ کا

میر تقی میرؔ (م۱۲۲۵ھ) کے کلیات میں بارہ بندوں پر مشتمل ایک نعتیہ مسدس بعنوان ''دربار رسالتؐ میں ایک عاصی اور گناہ گار کا ندامت نامہ'' ملتا ہے۔جس میں رحمت عالمؐ کے لطف عمیم اور خلق عظیم کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے گناہوں پر اظہار ندامت کیا ہے۔

اس کے علاوہ درج ذیل رباعی میں بھی میرؔ نے نعتیہ مضامین قلمبند کیے ہیں ؂

پیغمبر حق کہ حق دکھایا اسؐ کا   معراج ہے کمترین پایا اسؐ کا

سایا جو اسے نہ تھا یہ باعث ہوگا   کل حشر کو سب پہ ہوگا سایا اسؐ کا

غلام ہمدانی مصحفیؔ (م۱۲۴۰ھ) میر و سودا کے خردسال معاصرین میں سے تھے۔مصحفیؔ نے سودا کی طرح قصیدے میں نعت گوئی کی روایت کو آگے بڑھایا ان کے دواوین قصائد میں جملہ پانچ نعتیہ قصیدے ملتے ہیں۔قصائد کے علاوہ انہوں نے غزلیات۔مخمس اور رباعیوں میں بھی نعت گوئی کی سعادت حاصل کی ہے۔ان کی غزلوں کے چیدہ چیدہ نعتیہ اشعار درج ذیل ہیں ؂

نہ ہوگی جاں کنی کے وقت ہرگز تشنگی غالب   کہ تو اے مصحفی مداح ہے ساقی کوثرؐ کا

خداوندا نہیں مشتاق میں سرو و صنوبر کا   بہ روز حشر ہو سر پر مرے سایہ پیمبر کا

سرتاج افصحاں میں نہ ہوں کیوں کہ مصحفی   سایہ ہے میرے سر پہ محمد کی میم کا

حکیم مومن خان مومنؔ (م۱۲۶۸ھ) نے بھی اردو کی نعتیہ شاعری کے سرمائے میں معیاری اضافہ کیا۔ان کے ہاں غزلوں اور حمد و منقبت کے قصیدوں میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ان کے علاوہ چند رباعیاں ۱۸۳ اشعار کی ایک مثنوی اور ۱۹۷ ابیات کا ایک پرشکوہ قصیدہ بھی مستقلاً نعت پر مشتمل ہے۔مومن کا نعتیہ قصیدہ ایک خاص علمی شان کا حامل ہے اس میں الفاظ و تراکیب کی شوکت بھی

ہے۔ اور بیان کا زور بھی۔ منطق و فلسفہ عقائد و کلام طب و حکمت نجوم وہیئت اور دیگر علوم کی اصطلاحات کے سبب یہ قصیدہ مومن کی قادر الکلامی اور علمیت کا بین ثبوت ہے۔ ذیل میں اس قصیدے سے مدح نبیؐ سے متعلق اشعار درج کئے جاتے ہیں ؎

وہ کون؟ احمدؐ مرسل شفیع ہر دوسرا ۔۔۔ جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس
جہاں مطاعؐ شہنشاہ آفتاب نشاں ۔۔۔ فلک سریر و قمر طلعت و ملک ناموس
سیاہ چشموں کو مشکل نگاہ دزدیدہ ۔۔۔ یہ اس کے حفظ سے ملک معدلت محروس
کرم میں دوں اسے نیساں سے کس طرح تشبیہ ۔۔۔ کروں میں جان کے کیوں کر ترقی معکوس
کہ جس کی بخشش یک روزہ کو وفا نہ کریں ۔۔۔ ہزار سالہ گہر ہائے قلزم و قاموس
براق اسپ ترا ابروئے فرشتہ رکاب ۔۔۔ کہاں ہے چشم بشر ایسے پاؤں سے محسوس
نہ جس کے دھیان میں مضمون قاب قوسین آئے ۔۔۔ وہ دیکھ لے ترے زین و کمان کا قربوس

مذکورالصدر شعراء کے علاوہ نعت گوئی کی انفرادی مثالوں میں انیس و دبیر کا نام قابل ذکر ہے۔ جن کے ہاں رباعیوں میں زیادہ تر اور ایک آدھ قصیدے میں نعتیہ مضامین ملتے ہیں۔

میر نظام الدین ممنون' منیر شکوہ آبادی اور مرزا تقی خاں ہوس نے بھی قصائد میں نعت نگاری کی اس روایت کو آگے بڑھایا جس کی ابتداء سودا و مصحفی نے کی تھی۔ ان کے علاوہ میر حسن' جرات' انشاء' نظیر اکبر آبادی' رنگین' ناسخ' ذوق اور بہادر شاہ ظفر کے ہاں بھی مثنوی' غزل اور مخمس کی شکل میں نعتیہ شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔ ان سے قطع نظر کرتے ہوئے ذیل میں ایسے شعراء کی نعتیہ شاعری کے نمونے درج کئے جاتے ہیں۔ جو ادبی سطح پر زیادہ مشہور نہیں ہوئے۔ لیکن اردو نعت کی تشکیل وارتقاء میں ان کی خدمات نہایت وقیع اور گراں قدر ہیں۔

کرامت علی شہیدی (م ۱۲۵۶ھ) مصحفی اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے ان کے دیوان میں ایک قصیدہ۔ ایک رباعی اور دو غزلیں صنف نعت پر مشتمل ہیں۔ ان کے نعتیہ قصیدے کو بے حد شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

مطلع:

رقم پیدا کیا کیا ظرفہ بسم اللہ کی مد کا
سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

دبستان ازل میں وہ معلم عقل کل کا تھا
نہ تھا نام ونشاں جن روزوں اس لوح زبرجد کا

چمن پیرائے کن فراش جس کی جرم رنگین میں
بہار آفرینش ایک بوٹا اس کی سند کا

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا
عرب میں شور اٹھا جس وقت اس کی آمد آمد کا

شرف حاصل ہوا آدم اور ابراہیم کو اس سے
نہ تنہا فخر عالم فخر تھا اپنے اب وجد کا

مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی (م ۱۲۷۴ھ) نعتیہ شاعری کے تشکیلی دور کے دوسرے بڑے نعت گو ہیں۔ جنہوں نے نعتیہ شاعری کے مکمل دیوان کے علاوہ نعتیہ موضوعات پر متعدد منظومات تصنیف کیں جن میں داستان صادق' جذبہ عشق' مثنوی تجل دربار نبیؐ۔ حلیہ شریف۔ مولود بہاریہ۔ بہار خلد۔ نسیم جنت۔ اور خیابان فردوس شامل ہیں۔ ذیل میں ان کے کلام سے چیدہ چیدہ نعتیہ اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

خاتم انبیاءؐ ہوئے پیدا
مجتبیٰ۔ مصطفیٰ ہوئے پیدا

ہوئے حضرت محمد مصطفیٰ صل ِ علی پیدا
ہوئے حضرت رسول اللہ احمد مجتبیٰ پیدا

سر کے بل چاہیئے اے اہل ولا یاں آنا
الفت رحمت ِ عالم میں ذرا یاں آنا

محفل مولود سلطان رسالت ہے یہ
عین آداب ہے باصدق وصفا یاں آنا

محفل فرحت میلاد نبی صلی علی
بہ نصیب اپنے تئیں صبح ومسا یاں آنا

غلام امام شہید (م ۱۲۹۲ء) نے اردو نعت کو ایک انفرادی رنگ دیا اور سوز وگداز میں ڈوب کر نعتیں لکھیں جس کی وجہ سے یہ صنف رسمی دائرے سے نکل کر تخلیقی اسلوب اور کیف وتاثر سے آشنا ہوئی۔ انہوں نے غزل مثنوی۔ ترجیع بند اور دوسری ہیئتوں میں نعتیں لکھیں۔ ذیل میں ان کی نعتیہ شاعری کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

محمد بادشاہ دوجہاں ہے
محمد قبلہ گاہ مقبلاں ہے

محمد شمع ہے بزم قدم کی
محمد مالک کون ومکاں ہے

محمد سے ہوئی تکوین کو نین | محمد مدعائے کن فکاں ہے
حب سے ہوا وہ گل چمن آرائے مدینہ | جبرئیل بنا بلبل شیدائے مدینہ
ہر سنگ میں واں کے شرر طور ہے پہاں | ہر خشت کو کہیے ید بیضائے مدینہ
قسمت یہ دکھاتی ہے کہ حسرت کی نظر سے | ہم دیکھتے ہیں اس کو جو دیکھ آئے مدینہ

حافظ لطف علی خان لطف بریلوی (م ۱۲۹۸ھ) غزل کی ہیئت میں نعت نگاری فروغ دینے والے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ لطف نے غزل میں نعت نگاری کے وسیع امکانات دریافت کئے اور باقاعدہ طور پر نعتیہ غزلوں کا ایک دیوان مرتب کیا۔ جس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ان کی نعتوں میں نعت کے تمام معروف موضوعات اور مروجہ اسالیب ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کی نعتیہ غزلوں کے چیدہ چیدہ اشعار نمونتاً رقم کئے جاتے ہیں ۔

نبیؐ کے زلف و عارض کا مجھے دھودن ملے یارب
نہیں خواہاں ہے دل میرا گلاب و عطر و عنبر کا

یاد ابروئے رسول پاک آتی ہے مجھے | سجدہ کرواتی ہے اے محراب کعبہ خم ترا
مدحت قامت بالائے نبی لکھتا ہوں | کلک ہے غیرت شمشاد وصنوبر اپنا
نہ ہوئی ہائے مدینہ کی زیارت حاصل | جیتے جی میں نہ ہوا داخل جنت افسوس
ہاں عرب میں کہیں اے شاہ عرب بلوالو | ہند میں اب تو گزارا نہیں دم بھر اپنا

اردو میں نعتیہ شاعری کی وہ تشکیلی روایت جو کرامت علی شہیدی، مولوی کفایت علی کافی۔ غلام امام شہید وغیرہ سے شروع ہوئی تھی۔ امیر مینائی اور محسن کاکوروی تک پہنچ کر تکمیل کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ امیر و محسن کے ہاں نعتیہ شاعری کی یہ روایت محبت و عقیدت کے ساتھ ساتھ ادب اور فن کے بھی اعلیٰ معیار کو پہنچتی ہے۔

امیر مینائی (م ۱۳۱۸ھ) کی متعدد تصنیفات میں سے محامد خاتم النبیین مثنوی نور وتجلی وابر کرم۔ نعتیہ مسدس صبح ازل۔ شام ابد۔ لیلتہ القدر داور شاہ انبیاءؑ نعت سے متعلق ہیں علاوہ ازیں نعت میں

انہوں نے تین قصیدے بھی لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ نثر میں خیابان آفرینش کے نام سے ایک مولود نامہ بھی ان سے یادگار ہے۔ امیرؔ مینائی کا نعت سے شغف رسمی تقلیدی نہیں تھا۔ انہوں نے اس صنف کی طرف شعوری توجہ کی اور اسے ایک اہم شعری صنف کے درجے اور معیار پر پہنچانے کی مخلصانہ کوشش کی۔ ان کی نعت گوئی کے موضوعات میں حضور اکرمؐ کی ولادت مبارک۔ مجلس میلاد کی خیر و برکت۔ درود شریف۔ ہدیہ سلام۔ محامد خاتم النبیینؐ۔ واقعہ معراج۔ زیارت مدینہ کی تڑپ اور حضورؐ کی ذات والا سے اظہار عقیدت وغیرہ شامل ہیں۔ امیرؔ نے ان موضوعات پر جو نعتیں لکھی ہیں ان میں فنی لطافتوں کے ساتھ ساتھ فکری تقاضوں کا بھی خیال رکھا ہے۔ مجلس میلاد کے سلسلے میں ان کا ''ترجیع بند قابل پیش خوانی در محفل میلاد شریف صلی اللہ علیہ وسلم'' قابل ذکر ہے۔ یہ تیرہ بندوں پر محیط ہے۔ اس میں امیرؔ نے مجلس میلاد کے فیوض و برکات کا ذکر اور اس مقدس مجلس میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ اس کے مضامین میں فضا بندی اور ماحول سازی کی کیفیت صاف نظر آتی ہے۔

کر دو خبر ہے یہ محفل میلاد شاہ ہے — یاں آمد جناب رسالت پناہ ہے
امت چلے رسول کی یہ جلوہ گاہ ہے — سیدھی یہی بہشت میں جانے کی راہ ہے
دربار عام گرم ہوا اشتہار دو — جن و بشر سلام کو آئیں پکار دو

میلاد ناموں کا ایک موضوع آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت کا ذکر ہے۔ ظہور نور کے اس مضمون کو امیرؔ نے بھی برتا ہے اور مناسب ردیفوں کے استعمال سے نعت میں فضا سازی اور فکری ہم آہنگی پیدا کی ہے۔

مژدہ اے امت کہ ختم المرسلین پیدا ہوا — انتخاب صنع عالم آفریں پیدا ہوا
نور جس کا قبل خلقت تھا ہوا اس کا ظہور — رحمت آئی رحمت للعالمین پیدا ہوا
زہے رحمت کہ ختم انبیاء کی آمد آمد ہے — حبیب خاص محبوب خدا کی آمد آمد ہے
ادب آواز دیتا ہے سنبھل بیٹھو سنبھل بیٹھو — کہ فخر اولیاء و انبیاء کی آمد آمد ہے

معراج کا بیان نہ صرف میلاد نگاروں کے ہاں بلکہ عام نعت گو شعراء کے نزدیک بھی نعت گوئی کا اہم موضوع رہا ہے۔ معراج نامے عموماً مثنوی کی ہیئت میں لکھے گئے ہیں اور ان میں ربط و تسلسل کے ساتھ معراج کا بیان کیا گیا ہے لیکن امیر مینائی نے غزل کی ہیئت میں لکھی جانے والی نعتوں میں غزل کی ریزہ کاری اور دیگر پابندیوں کے باوجود فضاء سازی اور ماحول نگاری کے پراثر مرقعے پیش کیے ہیں۔

گرم حضرت کا یہ بازار تھا معراج کی شب کہ خدا آپ خریدار تھا معراج کی شب

کس کے آنے کی فلک پر ہے خبر آج کی رات آنکھ سورج سے ملاتا ہے قمر آج کی رات

غل ہے معراج کی شب شاہ امم آتے ہیں ملک مہر و مہ ولوح و قلم آتے ہیں

فرشتوں میں ہے ہنگامہ رسول پاک آتے ہیں
کھلیں رحمت کے دروازے شہ لولاک آتے ہیں

امیر نے اپنی نعتوں میں سید المرسلینؐ کے جمال جہاں آراء کا ذکر اور آپؐ کے نور سراپا کا بیان بھی کیا ہے۔ سراپا نگاری لکھنو کے دبستان شاعری کا ایک خاص رجحان تھا جس کا اثر نعتیہ شاعری پر بھی پڑا۔ امیر کے درج ذیل اشعار میں اسی رجحان کی عکاسی نظر آتی ہے۔ لیکن ممدوح کی عظمت و تقدیس اور رفعت کے سبب ان اشعار میں بھی علویت پیدا ہوگئی ہے۔

درود پڑھتے تھے قدسی جو دیکھتے تھے وہ رخ لب آپ کے تھے وہ معجزہ نما کہ صل علیٰ

جبیں وہ لوح کہ جس میں نقوش رحمت حق جمال پاک وہ نور خدا کہ صل علیٰ

دہن و چشمۂ شیریں اگر نظر آئے کہے یہ چشمۂ آب بقا کہ صل علیٰ

امیر مینائی کے نعتیہ کلام کا غالب حصہ غزل کی ہیئت میں ہے۔ وہ اردو شاعری کی تاریخ کے پہلے بڑے صاحب طرز غزل گو ہیں جنہوں نے کیف نعت کو رنگ تغزل سے ہمکنار کیا۔ ان کے کمال فن اور استادانہ مہارت کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے غزل کے مزاج کو قائم رکھتے ہوئے اسے ایک قرینے اور شائستگی سے نعت گوئی کے لیے استعمال کیا۔ غزل کی ہیئت میں نعت گوئی کے

فروغ و مقبولیت میں امیر کا اہم حصہ ہے۔ نعتوں میں انہوں نے لکھنو کی فصیح سلیس اور آراستہ زبان استعمال کی۔ ان کی نعتیہ شاعری کا سب سے نمایاں وصف زبان کی شیرینی اور کلام کا سہل ممتنع ہوتا ہے۔ امیر مینائی کی نعت گوئی کا کمال یہ بھی ہے کہ وہ عقیدت کی فراوانی کے باوجود نعت گوئی میں محتاط ہیں۔ انہوں نے مدح رسول میں آداب شریعت کا خاص خیال رکھا ہے۔ جو نعت گوئی کا سب سے نازک اور کٹھن مرحلہ ہے۔ ان کی نعتوں میں ارمان و آرزوں کا سوز محویت و فدویت کے جذبات دیار رسول سے مجبوری کا احساس اور روضہ رسولؐ پر حاضری کے والہانہ شوق کا اظہار ملتا ہے۔ عقیدت و محبت کی شیفتگی اور جاں نثاری کا جذبہ ان نعتوں کی جان ہے۔ درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں ؎

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں
قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے صدائے شوق کہ میں پیچھے رہا جاتا ہوں
کاروانِ رہِ یثرب میں ہوں آوازِ درا سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں
یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے
مدینے جاؤں دوبارہ پھر آؤں پھر جاؤں تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے
خلق کے سرور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم مرسل داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

امیر مینائی کی نعتیہ شاعری میں نعتیہ غزلوں کے علاوہ قصائد۔ رباعیات۔ ترجیع بند۔ اور دوسری کئی اصناف شامل ہیں۔ جہاں تک نعتیہ قصائد کا تعلق ہے امیر نے کل تین قصیدے لکھے ہیں۔ ان قصائد کا نمایاں وصف مضمون آفرینی کے ساتھ تخیل کا اعتدال۔ شکوہ الفاظ۔ شوکت تراکیب اور الفاظ کی تراش خراش ہے۔ ان قصیدوں میں انہوں نے سرور عالمؐ کے معجزاتؐ اور معمولات بیان کیے ہیں۔ ذیل میں ان تینوں قصائد کے مطلعے درج کیے گئے ہیں ؎

تفکر امتیاز جاں و جاناں میں کیا حد کا عروج اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیت معقد کا
اے خضر بھول گئی تھی مجھے راہ تگ و تاز وقت پر آ گئے تم عمر تمہاری ہو دراز

لائی ہے کیا چمن میں ہر ایک شاخسار پھول دکھلا رہے ہیں باغ جناں کیا بہار پھول

عبارت مختصر امیر مینائی نے نعت گوئی کی تاریخ میں قابل ذکر اضافہ کیا۔ انہوں نے اس مقدس فن کو تشکیل کے دور سے ارتقاء دے کر تکمیل کی منازل سے ہم کنار کیا نعت گوئی کو اصناف ادب میں جو اہمیت حاصل ہے وہ امیر مینائی اور ان کے بعد محسن کاکوروی کی کاوشوں اور ذوق نعت گوئی کا نتیجہ ہے۔

سید محسن کاکوروی (م ۱۳۲۳ء) کے ہاں اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت ایک مثالی معیار اور ایک جداگانہ صنف سخن کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ محسن نے نعت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ انہوں نے اس صنف کے ساتھ فطری مناسبت اور طبعی شغف تھا اور شعراء نے دیگر اصناف کے ساتھ نعت لکھی لیکن محسن نے صرف نعت لکھی۔ اسی لیے اردو نعت کے ساتھ ہی محسن کا نام ذہن میں آ جاتا ہے۔ ان کی کلیات سراپا نعت ہے۔ انہوں نے مختلف اصناف میں نعتیہ شعر کہے ان کی مثنویوں میں ''صبح تجلی'' اور ''چراغ کعبہ'' اور قصائد میں ''مدیح خیر المرسلین'' بہت زیدہ مشہور ہوئے ''صبح تجلی'' محسن کی سب سے طویل مثنوی ہے جس میں تقریباً پونے دو سو اشعار ہیں۔ محسن نے اس مثنوی میں سرور کونین کی ولادت اقدس کے ذکر کے ساتھ ساتھ معراج کا بیان بھی نظم کیا ہے۔ اس طرح اس میں میلاد نامہ و معراج نامہ کی امتزاجی شان پیدا ہوگئی ہے۔ یہ مثنوی گلزار نسیم کی بحر میں ہے اس میں انہوں نے منظر نگاری کے علاوہ بلیغ استعارات۔ پاکیزہ تشبیہات اور نادر تلمیحات کے استعمال میں ذہانت اور مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس مثنوی کے کچھ اشعار بطور نمونہ ذیل میں درج کیے گئے ہیں۔

پیدا ہوئے سرور دو عالمؐ پیدا ہوئے فخر نوحؑ و آدمؑ

محبوب خدا، نبیؐ مرسل صبح دو میں روز ازل

شاہنشہ انبیاءؐ محمدؐ تاج سر اصفیاء محمدؐ

پیدا ہوئے حضرت پیمبر صبح قدرت کے سعد اکبر

صنائع وبدائع کی وجہ سے ان کے طرز اظہار میں تکلف محسوس ہوتا ہے۔لیکن انہوں نے جس التزام اور بے ساختگی سے انہیں نبایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ان کا فطری اسلوب ہے۔صبح تجلی کی طرح محسن کی دوسری مثنوی بھی لفظی ومعنوی محاسن سے مرصع ہے۔یہ بھی گلزار نسیم کی بحر میں ہے۔اس میں واقعہ معراج کا ذکر ہے۔مثنوی کے آغاز میں ایک خوبصورت اور پر اثر تمہید ہے جس میں رات کے پر اسرار سکون وسکوت کا منظر کھینچا گیا ہے۔اس کے بعد گریز مدح جبرئیل صفت براق اور مسجد اقصیٰ کے عنوانات ہیں۔اسی کے بعد ہفت افلاک اور جنت و دوزخ کی سیر کا بیان ؤاس طرح عرش وکرسی اور مقام اعلیٰ تک رسول اکرمؐ کی رسائی کا بیان کر کے مثنوی ختم کی گئی ہے۔ذیل میں چراغ کعبہ کی چند کریں بہ طور نمونہ پیش کی گئی ہیں ؎

بھیگی ہوئی رات آبرو سے   داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے

اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام   شبنم کی ردا بقصد احترام

گویا کہ نہا کے آئی فی الحال   جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال

کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے   سر سے پاتک عرق عرق ہے

محسن کے یہ اشعار صنعت گری۔تشبیہات' استعارات' رعایت لفظی کا عمدہ نمونہ ہیں۔ موضوع کی عظمت۔عشق ومحبت اور فنی شغف کے باعث محسن کی اس مثنوی میں بندش کی چستی اور مصرعوں کی روانی اس قدر فطری اور بے ساختہ ہے کہ ان کی صنعت گری کے اسالیب کو تاہی نغن نہیں محسوس ہوتے۔صبح تجلی اور چراغ کعبہ کے اسلوب سے جداگانہ انداز میں محسن نے اپنا مشہور لامیہ قصیدہ لکھا ہے جس کا عنوان ''مدیح خیر المرسلین'' ہے اس کی تشبیب میں انہوں نے ہندو مذہب اور اساطیر کی علامتیں استعمال کی ہیں۔اور مقامی ، حول پیدا کیا ہے۔ ہندو رسم ورواج۔ مذہب وتہذیب۔روایات اور تلمیحات انہوں نے اس کثرت سے استعمال کیے ہیں کہ تشبیب کا یہ حصہ ہندوستانی تہذیب کا آئینہ بن گیا ہے۔نعتیہ قصائد کی تاریخ میں یہ قصیدہ اس اعتبار سے نہ صرف مختلف اور منفرد بلکہ اپنے نوع کی پہلی مثال ہے۔ذیل میں اس تشبیب کے کچھ اشعار درج

کیے گئے ہیں۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل	برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سروقدان گوکل	جا کے جمنا پہ نہانا بھی اک طول امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی	بند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

یہ قصیدہ ۱۴۲ اشعار کو محیط ہے جس میں دو غزلیں بھی شامل ہیں۔ اس قصیدے کو نہ صرف محسن کے بلکہ اردو کے نعتیہ قصیدے کی تاریخ میں ممتاز مقام اور بے نظیر شہرت و مقبولیت حاصل ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ ابیات درج کی گئی ہیں جو نعت اور مدح رسولؐ سے متعلق ہیں۔

گل خوش رنگ رسول مدنی عربی	زیب دامان ابد طرہ و دستار ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر	نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر	بحر وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول
مرجع روح امیں زبدہ عرش بریں	حامی دین متیں ناسخ ادیان ملل

محسن کاکوروی نے اردو نعتیہ شاعری کو فنی حیثیت سے معیار اور اعتبار دیا۔ اسی لیے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نعت گوئی تو سب نے کی ہے مگر محسن کاکوروی نعت گوئی کے لیے ہیں۔ اگر محسن نہ ہوتے تو اردو میں نعت گوئی کا فن بہت عرصے تک تشنہ تکمیل رہتا۔ امیر مینائی اور محسن کاکوروی کے بعد حالی سے نعت گوئی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور میں نعت گوئی کے دو دھارے صاف نظر آتے ہیں۔ ایک تو قدیم نعت گوئی کا دھارا تھا جس کی روایت مولانا احمد رضا خاں صاحب۔ حسن رضا خاں۔ مفتی غلام سرور لاہوری۔ مفتی محمد دیدار علی شاہ، بیدم وارثی، شائق حیدرآبادی۔ مظفر خیرآبادی۔ اکبر میرٹھی، بیان یزدانی اور ممتاز گنگوہی وغیرہ کے ہاتھوں پروان چڑھی۔ ان صوفیاء اور مشائخین نے نعت کے روایتی موضوعات اور حب رسولؐ کی کیفیات و مشاہدات کو مرکز نعت بنایا۔ اس کے برخلاف اس کے متوازی جو دھارا چل رہا تھا اس میں شامل شعراء نے نعت گوئی کو قومی اور ملی مقاصد کا وسیلہ بنایا۔ جدید نعت گوئی کے ان سرکردہ

شعراء میں مولانا حالی ۔شبلی ۔اقبال ۔ظفر علی خان اور حفیظ جالندھری وغیرہ شامل ہیں۔ جدید نعت گوئی کی اس روایت میں معجزات اور جمال محمدیؐ کے بجائے آنحضرتؐ کے پیغام اور سیرت کو نعت گوئی کا موضوع بنایا گیا اور ذکر سیرت طیبہ سے ان شاعروں نے اصلاح احوال کا کام لیا۔ اس طرح عصر جدید کی نعت گوئی کا بڑا دھارا ملی وقومی موضوعات لیے ہوئے نظر آتا ہے۔ ذیل میں اس دور کی نعتیہ شاعری کی دونوں روایتوں کے نمونے درج کیے گئے ہیں۔

حالیؔ: مولانا الطاف حسین عصر جدید کے اولین اہم نعت گو سخنور ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام مقدار میں کم لیکن معیار کے اعتبار سے نہایت بلند ہے۔ انہوں نے چند نعتیہ قصیدے اور ایک خمسہ لکھا ہے۔ لیکن ان کا شاہ کار ''مسدس حالیؔ'' ہے جو اردو شاعری میں قومی اور ملی جذبات کی پہلی موثر اور اہم دستاویز ہے۔ حالی نے یہ نظم سرسید کی تحریک پر لکھی ۔ اس میں مسلمانوں کے عروج زوال کا سادگی اور دردمندی سے نقشہ کھینچا ہے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ برصغیر کے زوال پذیر مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد دلاکر ان معاشرتی برائیوں اور مذہبی واخلاقی نقائص کی نشان دہی کی جائے جن کے سبب مسلمان زوال یاب ہورہے ہیں۔ اس مسدس میں حالی نے ظہور اسلام سے قبل معاشرت انسانی کی زبوں حالی ۔آغاز اسلام آنحضرت کا اعلان نبوت اور اصلاح معاشرے کے لیے آپ کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی صفات جمیلہ اور محاسن عالیہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ مسدس کا یہ حصہ اردو میں نعت کے عصر جدید کے آغاز اور نعتیہ شاعری کا شاہ کار ہے۔ انہوں نے غیر ثقہ روایات اور معجزات سے گریز کرتے ہوئے سرورکونینؐ کے بشری پہلوؤں کا سیدھا سادہ لیکن موثر اور پرکار بیان نظم کیا ہے۔ ذیل میں اس کے کچھ اشعار نقل کئے گئے ہیں ۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ　　یتیموں کا والی غلاموں کا مولا
خطا کار سے درگزر کرنے والا　　بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

مسدس کے علاوہ حالی کی وہ مشہور و معروف مناجات بھی نعت کے دائرے میں آتی ہے جس کا عنوان ''عرض حال'' ہے۔ اس میں حالی نے ملکی آشوب اور ملی مسائل پر دربار رسالتمآبؑ میں نبی اکرمؐ کے حضور عرض داشت وگزارش' التجاوفریاد اور استغاثہ واستمداد کی ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی۔ معاشرتی علمی واقتصادی بدحالی کا اس سے موثر نوحہ شاید ہی کسی نعت میں نظر آتا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ نظم اردو نعت میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتی ہے۔

چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے امت پہ تری آج عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

مولانا احمد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) محسن کاکوروی کے بعد اردو کے بڑے نعت گو ہیں۔ اردو نعت کی تاریخ میں مولانا احمد رضا نے اپنے فکر وفن سے نہایت گہرے اور دیرپا اثرات چھوڑے۔ ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''حدائق بخشش''۔ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ مولانا کا نعتیہ شاعری کا انفرادی وصف یہ ہے کہ انہوں نے اپنے وسیع علم کو پوری طرح فن نعت میں برتا۔ قرآن وحدیث۔ منطق و ریاضی۔ ہیئت و نجوم اور مابعدالطبعیات جیسے علوم کے تصورات واصطلاحات کو انہوں نے بلا تامل اور تحقیقی انداز میں نعت گوئی میں استعمال کیا۔ عام طور پر ادق اور غریب اصطلاحات اور علمی حوالوں کی بہتات اظہار میں رکاوٹ ترسیل میں حارج اور فطری روانی میں سستی کا باعث ہوتی ہے۔ لیکن مولانا کے ہاں یہ سقم نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں بلا کا زور بیان پایا جاتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جناب رسالتمآب کی ذات گرامی سے ان کی گہری عقیدت ووابستگی ہے جو اپنے اظہار کے لیے تبحر علمی اور زور بیان سے کمک حاصل کرتی ہے۔ مولانا کی نعتیہ شاعری دراصل ان کے وسیع وعمیق علمی' فقہی مذہبی اور فنی تجربات ومشاہدات کا ماحصل ہے۔ مولانا کی نعتوں میں اکثر مقامات پر قصیدوں کا سا شکوہ اور

مثنوی کی روانی نظر آتی ہے۔ ان کا قصیدہ سلامیہ اردو کا سب سے مقبول قصیدہ ہے جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

یہ سلسلہ (۱۶۹) ابیات کو محیط ہے اس میں انہوں نے جملہ اہل بیت۔ خلفائے اربعہ۔ جاں نثاران بدرواحد۔ عشرہ مبشرہ ائمہ اربعہ۔ سیدنا عبدالقادر جیلانی ؒ۔ جملہ اہل سنت اپنے خانوادے اور استاد کو لاکھوں سلام کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد ومحاسن کا اظہار بھی ملتا ہے۔

اس کے چند مشہور اشعار درج ذیل ہیں ؎

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا　　اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی　　ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
شب اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود　　نوشہ بزم جنت پہ لاکھوں سلام
صاحب رجعت شمس و شق القمر　　نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام

مولانا احمد رضا خان کو عربی وفارسی کے علاوہ ہندی سے بھی رغبت تھی۔ انہوں نے ایک نعت میں ان تینوں زبانوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ اپنے انداز کی منفرد نعت ہے جس کے ہر شعر میں مولانا نے عربی' فارسی اور ہندی کے فقرے اس طرح استعمال کیے ہیں کہ ہر فقرہ اپنی جگہ مکمل بھی ہے اور ہم معنی بھی۔ ہر شعر مفہوم کے اعتبار سے اپنی جگہ مکمل اور بھرپور ہے۔ اس نعت کے چند شعر درج ذیل ہیں ؎

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کا تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علا والموج طغیٰ من بے کس وطوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

مولانا کی ایک اور نعت بھی نہایت مشہور ومقبول ہے جس میں وہ حب رسولؐ میں بے

خود وسرشار ہو کر مدینے منورہ کو کعبہ کا کعبہ کہتے ہیں ۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

مولانا احمد رضا نے سلیس اور صاف زبان میں بھی نعتیں لکھی ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل نعت آسان زبان ۔ سادہ الفاظ۔ رواں دواں اسلوب کا نمونہ ہے ۔

سب سے اولی واعلی ہمارا نبیؐ سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ

مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی داخلی کیفیات کے بیان اور اظہار شیفتگی کے، باوصف فنی شکوہ سے عبارت ہے۔ علمی تجر۔ شعری صلاحیت۔ تخلیقی استعداد۔ صنعت گری اور زور بیان ان کی نعت گوئی کے اہم لوازم ہیں۔ ان کی نعتوں میں ایک خاص سلیقے اور ضبط واحتیاط کا احساس ہوتا ہے جو عشق رسول کی وارفتگی و شیفتگی کے ساتھ ساتھ آداب شرعیہ کے پاس ولحاظ کی دلیل ہے۔ انہیں نعت گوئی کے فن کی باریکیوں اور نزاکتوں کا بڑا خیال تھا۔ آنحضرتؐ سے وفور عقیدت ومحبت کے باوجود انہوں نے الوہیت اور نبوت کے فرق کو خلط ملط نہیں کیا۔ اردو میں نعت گوئی کی روایت کی توسیع واشاعت میں مولانا کا حصہ سب سے واضح اور نمایاں ہے۔ انہوں نے نہ صرف خود نہایت بلند پایہ نعتیں کہیں بلکہ اپنے ہم مسلک شاعروں، خلفاء اور تلامذہ میں نعت گوئی کو ایک تحریک کی شکل دی۔ اس طرح ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔

مولانا احمد رضا خان کے برادر خورد مولانا حسن رضا حسن (متوفی ۱۳۲۶ھ) بھی ایک کہنہ مشق نعت گو شاعر تھے۔ انہوں نے بھی اردو نعت میں وقیع اضافہ کیا۔ نعتیہ شاعری میں احمد رضا خان کے مقلدو پیرو تھے۔ ان کی نعت گوئی کا رنگ اور نمایاں خصوصیات وہی ہیں جو احمد رضا خان کے ہاں نظر آتی ہے۔ جیسے قرآن وحدیث کے حوالے مضمون آفرینی، ندرت بیان، جدت خیال۔ حسن الفاظ رعایت لفظی اور تشبیہات وغیرہ ان کے نعتیہ کلام کے مجموعے کا نام ''آخرت'' ہے جو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ بریلوی، مکتب نعت میں مولانا حسن رضا حسن ایک خاص اہمیت اور مقام ومرتبے کے حامل ہیں۔ اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی لب سے ترے سنی اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند
مدینے میں ہے وہ سامانِ بارگاہ رفیع عروج و اوج ہیں قربان بارگاہ رفیع

سید علی حیدر نظم طباطبائی: اردو میں ''نظم نگاری'' کے اہم شاعر ہیں۔ انہوں نے بلند پایہ نعتیہ قصائد بھی لکھے جو ''مجموعہ نظم'' میں شامل ہیں۔ ان کے دیوان ''صوت غزل'' میں بھی کچھ نعتیں شامل ہیں'' مجموعہ نظم'' میں حسب ذیل سات نعتیہ قصائد شامل ہیں۔

ا۔ ذکر بعثت و فتح مکہ۔ ۲۔ قصیدہ معراج۔ ۳۔ ہجرت وغزوہ بدر۔ ۴۔ عہد جاہلیت کا کفر اور پیغمبر مجاہد۔ ۵۔ قصیدہ احزاب۔ ۶۔ قصیدہ خیبر۔ ۷۔ قصیدہ حنین۔ یہ ساتوں قصائد معنوی اعتبار سے مربوط و مسلسل ہیں جن میں نظم نے آنحضرت کے کارناموں اور تاریخ اسلام کے مختلف ابواب کو نظم کیا ہے۔ ڈاکٹر محمود الہٰی نظم کے نعتیہ قصائد پر رائے زنی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> '' اردو قصیدہ نگاری کی تاریخ میں یہ پہلے اور آخری شاعر ہیں جنہوں نے صدر اسلام کے غزوات کو قصیدہ کا موضوع بنایا اور طول طویل قصیدے لکھے۔ وہ احادیث کی روشنی میں واقعات بیان کرتے ہیں۔ مجاہدین کی سرفروشی اور جاں بازی کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ اور قوم کو دعوت عمل دیتے ہیں۔ حدیث و تاریخ پر ان کی اتنی گہری نظر ہے کہ وہ کسی غزوے کا حال بیان کرتے ہیں تو اسی ماحول میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور جزئیات نگاری کو اپنا شعار بنالیتے ہیں (۲)''۔

نظم حالؔی اسکول کے حامی تھے۔ انہوں نے قصیدے کے ذریعہ تاریخ نگاری کا کام لیا۔ اردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ میں غزوات وسرایہ اور مجاہدین کی معرکہ آرائیوں اور اسلامی جنگوں کا جو ذکر نظم کے ہاں ملتا ہے اتنی تفصیلات اور تاریخی اسناد کے ساتھ بہت کم شاعروں کے ہاں ملتا ہے۔ زبان وبیان کی صفائی۔ صنائع و بدائع کی چستی اور فکر کی تازگی کے علاوہ ایجاز واختصار اور خلوص و عقیدت کے سبب نظم کے نعتیہ قصائد میں دل آویزی، دل نشینی اور اثر انگیزی کی کیفیت نظر آتی

ہے۔اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے ؂

ظہور اس کا جو آخر میں ہوا اس سے یہ ظاہر ہے
کہ ذات اس کی ہے ایجاد جہاں کی علت نمائی
یہ اس سید کے ختم المرسلین ہونے سے ثابت ہے
کہ یہ قربت رسولان سلف نے بھی نہیں پائی

کسی کا عرش پر نعلین کو پہنے ہوئے جانا　　کسی کی جلوہ گاہ طور میں وہ برہنہ پائی
یہ کس رستے سے تو اے رہنما ہوتے ہوئے آیا　　ہزاروں ہی برس عالم کو تو نے راہ دکھلائی

اردو میں نعتیہ شاعری کا دور جدید حقیقی معنوں میں اقبال سے شروع ہوتا ہے۔اقبال روایتی انداز کے نعت گو شاعر نہیں اور نہ انہوں نے رسماً اور تبرکاً نعت گوئی اختیار کی بلکہ انہوں نے نعتیہ شاعروں کے حوالوں کو امت مسلمہ کے اساسی پہلوؤں کی تشریح اور اسلام کے عملی اور انقلابی پیغام کے ابلاغ کے لیے استعمال کیا۔انہوں نے اپنی عظیم فکری اور تخلیقی صلاحیتوں سے اردو نعت کے داخلی اور خارجی اسلوب ومضامین میں ایسی تبدیلیاں پیدا کیں جن سے اردو نعت گوئی کا سفینہ ایک نئے بحر بیکراں سے آشنا ہوا۔

اقبال کے شعری مجموعوں میں نعت کے عنوان سے کوئی نظم نہیں ملتی۔انہوں نے براہ راست نعت کہنے کے بجائے متفرق نظموں میں انتہائی خوبصورت طاقتور اور موثر نعتیہ اشعار لکھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کو اسلامی تخیل اور سلامی تصور حیات کا ترجمان بنایا اس لیے ان کے کلام کا بیشتر حصہ بالواسطہ طور پر نعتیہ شاعری کے دائرے میں آتا ہے۔اقبال کی نعتیہ شاعری کے تمام عناصر پوری آب وتاب کے ساتھ اپنی چمک دکھاتے ہیں۔انہیں آں حضرتؐ کی ذات گرامی سے والہانہ شیفتگی اور وابستگی تھی وہ حضور اکرمؐ کے متعلقات ومنسلکات سے بے انتہا قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ اشعار جوش وخروش۔خلوص ووارفتگی اور سوز وگداز کا ایسا مرقع ہیں جس کی مثال اردو اور فارسی شاعری میں بہت کم ملتی ہے۔

اقبال نے رسول اللہ کے حسن و جمال۔ حلیہ مبارک کی دل کشی ورعنائی اور پیکر اطہر کے جسمانی محاسن کے ذکر و بیان کی روایت سے گریز کرتے ہوئے اردو میں نعتیہ شاعری کو ایک نیا رخ دیا جو قرآن مجید سے مستنبط ہے۔ قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے اخلاقی وروحانی فضائل کا ذکر کیا ہے۔ اقبال نے اسی سے استفادہ کرتے ہوئے سرور کونینؐ کے اسوہ حسنہ اور مکارم وشمائل کی نتیجہ خیز مرقع کشی کو نعتیہ شاعری کا موضوع بنایا۔ ان کے نعتیہ اشعار توحید ورسالت۔ حقیقت و معرفت۔ اسلام کی آفاقیت اور پیغمبر اسلام سے رشتہ وفا کی استواری کی دعوت جیسے مقصدی عوامل سے مملو ہیں۔ انہوں نے اردو نعت گوئی کو فکری وفنی اعتبار سے ترقی و وسعت دی۔ ملک وملت کی سیاسی وتمدنی زندگی کو نعتیہ شاعری سے مربوط کر کے انہوں نے نعت کی دنیا میں ایک اجتہاد کیا۔ سنائی کے مزار پر کہے گئے اشعار' ذوق وشوق' بلال' حضور رسالتمآب میں' شفاخانہ حجاز' صدیقؓ' جنگ یرموک کا ایک واقعہ' روح محمدؐ' وغیرہ وہ نظمیں ہیں جن میں اقبال کی نعت گوئی کا بھر پور اظہار ہوا ہے۔ اقبال کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

> ''ان کی پوری شاعری کا حقیقی محور سیرت محمدیؐ اور اسوہ رسول ہے۔ حتیٰ کہ ان کے فلسفہ خودی کا اصل الاصول بھی یہی ہے۔ اسرار خودی سے لے کر جاوید نامہ تک ان کا کلام دیکھا جائے تو اس محور سے انحراف مشکل سے کہیں ملے گا۔ ان کا کلام صاف بتاتا ہے کہ ان کے فکر وفن کا نقطہ آغاز بھی رسالت ہے اور نقطہ ارتقاء واتمام بھی رسالت ہے'' (۳)۔

واقعہ یہ ہے کہ اقبال نے نعت کے قدیم اور روایتی اسلوب وآہنگ کو نظر انداز کر کے نظم کی جدید ہیئتوں اور اسالیب سے فن نعت کو روشناس کرایا۔ مضامین ومسائل کے ساتھ ساتھ ان کا طرز اظہار بھی منفرد اور جداگانہ ہے جس کی بلاغت اور دل آویزی حیطہ تحریر سے باہر ہے۔ مثلاً درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں ۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد سے اُجالا کردے

چشم اقوام یہ نظارہ ابدتک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

وہ دانائے سبل مولائے کل ختم الرسل جس نے
غبارراہ کو بخشا فروغ وادی سینا

نگاہ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن' وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہ

ان چیدہ چیدہ اشعار اور قطعات کے علاوہ اقبال کی وہ نعت جس کا ہر شعر عشق رسولؐ میں ڈوبا ہوا ہے''ذوق وشوق'' ہے یہ نظم انہوں نے فلسطین کے زمانہ ساحت کے دوران لکھی تھی ۔اس میں اقبال نے جو زمین اور لب ولہجہ استعمال کیا ہے اس نے وفور جذبات شدت عشق ۔جذب وکیف اور دردمندی کے اظہار کے لیے ایک بلیغ اور موثر انداز اور وسیع وکشادہ شعری فضاء پیدا کی ہے۔ یہ نظم اردو نعتیہ شاعری کی تاریخ میں براہ راست حضوری خطاب کی سب سے دلکش اور اثر انگیز نمونہ ہے۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیراوجود الکتاب
گنبدآ بگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم آب وخاک میں تیرے ظہور سے فراغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

شوکت سنجر وسلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید وبایزید تیرا جمال بے نقاب

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

تیر نگاہ ناز سے دونوں مراد پاگئے
عقل غیاب وجستجو عشق حضور واضطراب

تیرہ وتار ہے جہاں گردش آفتاب سے
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حجاب سے

اقبال نے نعتیہ شاعری کی روایت کو ایک نئے رنگ وآہنگ اور منفرد طرز سے مالا مال کیا۔ عشق رسولؐ کے اضطراب اور مدینۃ النبیؐ کے فراق کی کیفیات کے علاوہ انہوں نے اپنے نعتیہ کلام میں عصری' سیاسی وتہذیبی مسائل کا ابلاغ بھی کیا ہے۔ مغربی تہذیب کی یلغار۔ وطنیت

کا گمراہ کن تصور۔ ملت اسلامیہ کی محکومی اور افتراق و انتشار اور ان تمام مسائل و مصائب میں آں حضرت کی ذات ستودہ صفات سے رجوع' ان کی نعتیہ شاعری کے خاص موضوعات ہیں یہ سب مسائل وہ اپنے جگر کا خون کر کے بیان کرتے ہیں ۔ ان کے ہاں علم فکر۔ عصری آگہی اور عشق رسول کی وارفتگی کے ساتھ ساتھ بے پنا قوت ابلاغ بھی ہے جس کی بدولت ان کے نعتیہ اشعار میں برق کی سی گرمی حرارت۔ تڑپ اضطراب اور درخشانی پائی جاتی ہے ۔

حالی اور اقبال نے اردو میں نعتیہ شاعری کی جونئی روایت تشکیل دی ا سے آگے بڑھانے والوں میں مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۰ء تا ۱۹۵۶ء) نے اہم حصہ لیا۔ ان کے نعتیہ کلام میں ملی و قومی مسائل کی لے پوری شدت اور رفعت پر نظر آتی ہے۔ ان کی اہم نعتوں میں "فریاد بہ حضور"۔ سرورِ کونین' صلوا علیہ و آلہ۔ رحمۃ اللعالمین۔ شب معراج۔ التجا بہ حضور کائنات۔ نذر محضر۔ عرض داشت است ۔ اسلامیان ہند کی فریاد۔ نذر عقیدت جشن میلاد النبی ۔ صاحب قاب توسین او ادنیٰ ۔ عرش سے فرش تک ۔ مقام محمود' فخر رسل' تاجدار عرب و عجم' عشق رسولؐ ۔ نور حقیقت ۔ صاحب معراج ۔ نوید مسیح ۔ چشمہ آب بقا۔ اللہ والے اک انت الاعلیٰ۔ شان مصطفوی وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا ظفر علی خان نے اپنی نعتوں میں عشق رسولؐ کے جذبات کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کی زبوں حالی ۔ عالم اسلام کے زوال و انحطاط۔ طرابلس پر اٹلی کے حملے۔ تحریک خلافت۔ تحریک عدم تعاون ۔ شدھی اور سنگھٹن تحریک کے سلسلہ میں رونما ہونے والے مسلم کش فسادات اور متعدد دیگر معاصر قومی اور سیاسی تحریکوں اور بین الاقوامی واقعات کے حوالے ملتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں ملی مسائل کا ذکر حالی اور اقبال سے کہیں زیادہ وسیع پیمانے پر ہوا ہے۔ ہندی مسلمانوں کی پستی و نکبت کا جو کرب ان کی نعتوں میں ملتا ہے کسی اور کے ہاں نظر نہیں آتا۔

مولانا ظفر علی خان کی نعت گوئی افادی اور مقصدی نقطہ نظر کی حامل ہے۔ وہ اپنی نعتوں سے امت مسلمہ کی اصلاح و اتحاد کا کام لیا۔ وہ عشق رسول کے نغمے سے مسلمانوں کے اندر زندگی کا جوش اور حرارت پیدا کرنا چاہتے تھے ۔ ان کی نعتیں اسلام کی عظمت ماضی کے بیان عہد حاضر

کے مسلمانوں کے زوال کے ماتم اور ان کے روشن اور پر شکوہ مستقبل کی امید کا مظہر ہیں ۔ ان کی نعتوں میں سرورِ عالم کی بارگاہ میں فریاد استغاثے کی لے نہایت پر اثر اور دل سوز ہے ۔

سب سے زیادہ مستحق تری توجہات کے　　ہم ہیں کہ ہم پہ آپڑیں سارے جہاں کی مشکلات
تیری نگاہ مہرباں ہم کو ذریعہ فلاح　　تیری دعائے مستجاب ہم کو وسیلہ نجات
دور افتادہ ہی سہی تیرے مگر غلام ہیں　　ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشہ چشم التفات
اے قبلہ دوعالم والے کعبہ دوکون　　تیری دعا ہے حضرت حضرت باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر　　دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب واضطراب
حق سے یہ عرض کرکے تیرے ناسزا غلام　　عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب
وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں　　اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
دل جس سے زیادہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو　　ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

مولانا ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری میں عشقِ رسول کے جذبات اور قومی وملی مسائل کے شعور کے ساتھ ساتھ حضور اکرمؐ کی تعلیمات اور ارشادات کا بھی ابلاغ نظر آتا ہے وہ آنحضرتؐ کی تعیلمات کے ذریعہ مسلمانوں کے اصلاح حال کی شدید تڑپ رکھتے تھے ۔ انہوں نے اپنے پرشکوہ و پر جلال آہنگ کے ذریعہ پژمردہ اور مغلوب مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کی حرارت اور عمل کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ۔ آنحضرتؐ کے محامد و محاسن کے بیان میں وہ جگہ جگہ قرآن واحادیث کے حوالے بھی دیتے ہیں ۔ ان کے ہاں غلو نہیں بلکہ سیرت طیبہ کی حقیقی تصویر کشی ملتی ہے ۔ شاعرانہ طباعی ۔ جودت فکر ۔ تخلیقی اپج ۔ قادر الکلامی ۔ دقت پسندی ۔ قصائد کا سا شکوہ بیان ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری کے نمایاں خدوخال ہیں ۔

حالی کی ملی شاعری کی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں **حفیظ جالندھری** (۱۹۵۵ء تا ۱۹۸۲ء) بھی ایک اہم مقام کے حامل ہیں ان کی شاہ کار تخلیق شاہنامہ اسلام دور جدید میں اسلام کے آغاز وارتقاء کی تاریخ کو منظوم پیرائے میں پیش کرنے کی واحد مثال ہے ۔ شاہ نامہ

اسلام چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں حضور اکرمؐ کی ولادت باسعادت سے لے کر ہجرت تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری جلد میں جنگ بدر سے جنگ احد کی تیاری تک حالات نظم کئے گئے ہیں۔ تیسری جلد میں جنگ احد کے واقعات اور اس کے نتائج واثرات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور چوتھی جلد میں شہدائے احد کے احوال وکوائف سے لے کر جنگ احزاب کے اختتام تک کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ حفیظ کے شاہ نامہ اسلام کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ تاریخ اسلام اور آنحضرتؐ کی ذات بابرکت ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں۔ اسی تقریب سے حفیظ کا شاہ نامہ سراسر نعتیہ شاعری کے دائرے میں آتا ہے۔ شاہ نامہ اسلام کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ حفیظ نے شاعرانہ صداقت کے ساتھ صحت واقعات اور ''تاریخیت'' کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ انہوں نے اکثر مقامات پر حواشی میں اپنے ماخذ ومصادر کی صراحت بھی کی ہے جس سے ان کے حزم واحتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔

حفیظ کا شاہنامہ اسلام ان کے ملی شعور کا غماز ہے۔ انہیں شہنشاہ کونینؐ ذات اقدس سے گہرا عشق تھا۔ ان کے اشعار میں جو خلوص وصداقت۔ عقیدت وانکسار اور ایمانی حرارت محسوس ہوتی ہے وہ اسی عشق کی دین ہے۔ انہیں زبان وبیان پر بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ اس کے ساتھ موضوع کے ساتھ ان کی قلبی وابستگی نے ان کے کلام میں وہ زور واثر اور قوت ورعنائی پیدا کی ہے۔ جو بہت کم شعراء کے حصے میں آئی ہے۔

شاہ نامہ اسلام از اول تا آخر تاریخ وسیرت میں گندھا ہوا ہے۔ یہ تاریخ کے پہلو بہ پہلو حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ کے ارتقاء اور سیرت طیبہ کے ساتھ ساتھ عرب میں وقوع پذیر ہونے والی معاشرتی اور تمدنی تبدیلیوں اور ان کے اسباب ومحرکات کا مسلسل ومربوط بیانیہ ہے۔ گذشتہ دور کی نعتیہ شاعری میں آنحضرتؐ کی ولادت ومعجزات اور جمال وانوار پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ حفیظ نے پہلی مرتبہ غزوات کا بیان معتبر حوالوں کے ساتھ مفصل اور موثر انداز میں نظم کیا ہے۔ حق وباطل کے معرکوں میں مرکزی کردار جناب سردر کائناتؐ کی ذات بابرکات تھی۔ آپ

کے کردار کے اس رزمیہ پہلو کی ترجمانی میں حفیظ نے سیرت و سراپا کے حوالوں کے ساتھ ساتھ حسب گنجائش حب رسول کے جذبہ کا اظہار بھی کیا۔ اس طرح رجزیہ شاعری میں عشق اور ایمانی حرارت کے آمیزش کے نتیجے میں اردو نعت کو ایک تازہ اور منفرد آہنگ عطا کیا۔ ذیل میں شاہنامہ اسلام کے وہ اشعار نقل کئے گئے ہیں جن میں حفیظ نے جناب رسالتمآبؐ کے عارض و گیسو اور قد و قامت کی خوبی و دلآویزی کی ترجمانی کے بجائے آپؐ کو لشکر اسلام کے سپہ سالار کی حیثیت سے لباس جہاد میں اور میدان کارزار میں دکھایا ہے۔ اس میں آپؐ کے جمالی پہلو کے ساتھ ساتھ جلالی شان کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

نبوت کا جلالی رنگ چہرے سے ہویدا تھا | کہ جس کی ضو سے ذرے ذرے میں خورشید پیدا تھا

لباس جنگ پہنا آج سردار دو عالم نے | خدا کی فوج اول کے سپہ سالار اعظم نے

شرف بخشا زرہ کو چشم ہستی کے اجالے نے | سر اقدس پہ رکھا خود کالی کملی والے نے

کمر چمڑے کی پیٹی سے کسی، تلوار لٹکائی | بھرا تیروں سے ترکش بھی، کماں بھی دوش پر آئی

ادھر مسجد میں مردان مجاہد سر بکف ہوکر | کھڑے تھے انتظار مصطفیٰ میں صف بہ صف ہوکر

ہوئے حضرتؐ برآمد حجرۂ خلوت سے جلوت میں | ضیائے نور پھیلی نور کی جلوت سے خلوت میں

نبی کو آج امت نے لباس جنگ میں دیکھا | جمال مصطفیٰ کو اس نرالے رنگ میں دیکھا

زرہ، مغفر، کمان و تیرہ و شمشیر و تبرو بھلا | مجسم نور جس کے گرد گرد اک نور کا ہالہ

ہویدا تھا جمال سرمدی سرکار عالی سے | دل مردان عالم کانپ اٹھے شان جلالی سے

حالی اور اقبال کے معاصرین میں نعت گو شاعروں کا ایک ایسا سلسلہ بھی ملتا ہے جو قومی اور ملی شعور کی تبلیغ و ترجمانی سے ہٹ کر قدیم رنگ و آہنگ میں نعت گوئی کی روایت کو جاری رکھا۔ طرز قدیم کے ان دلدادگان شعراء میں جلیل مانک پوری، شائق حیدرآبادی، مضطر خیرآبادی، اکبر میرٹھی، عبدالقدیر صدیقی حسرت حیدرآبادی، علامہ مصطفیٰ عشقی حیدرآبادی، امجد حیدرآبادی، بیدم وارثی اور اقبال سہیل وغیرہ اہم ہیں۔ حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری (م ۱۲۶۵ء) امیر مینائی

کے تلمیذ خاص تھے۔ انہوں نے نعت گوئی کا ذوق استاد سے ورثے میں پایا تھا۔ ان کا کلام معراج سخن کے نام سے شائع ہوا جس میں بیشتر نعتیہ غزلیں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں نعتیہ رباعیاں اور دیگر اصناف بھی شامل ہیں۔ جمال محمدی حب رسولؐ شفاعت کی تمنا' جلیل کی نعتیہ شاعری کے اہم موضوعات ہیں۔ زبان کی سلاست وشگفتگی۔ اسلوب کی ندرت جذبات کے خلوص اور مترنم بحروں کے انتخاب کی وجہ سے ان کی نعتیں کیف واثر میں ڈوبی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے ؎

کٹے عمر صل علی کہتے کہتے اٹھوں حشر میں مصطفیٰ کہتے کہتے

محمد کو پایا خدا کہتے کہتے خدا مل گیا مصطفیٰ کہتے کہتے

بیدم وارثی (م۱۳۶۲ھ) روایتی نعت گو شعراء میں ایک اہم مقام کے حامل ہیں۔ ان کی نعتوں میں سوز وگداز کیف واثر اور حب رسولؐ کی وارفتگی اور درد انگیزی ملتی ہے۔ ان کی زبان سلیس ورواں اور لہجہ شگفتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتوں کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ نعت کا نمونہ درج ذیل ہے ؎

قبلہ و کعبہ ایمان رسول عربیؐ دو جہاں آپؐ پہ قربان رسول عربیؐ

مرا دل اور مری جان مدینے والے تجھ پہ سو جاں سے قربان مدینے والے

اقبال سہیل (م۱۳۶۵ھ) کی نعتیہ شاعری کا امتیازی وصف حقیقت نگاری ہے۔ ان کی نعتوں میں سرور عالم کی سیرت وسوانح اور محامد کا بیان قرآن وحدیث سے ماخوذ ومستفاد ہے۔ دیگر صحابہ کرامؓ، اسلامی تاریخ کے بعض واقعات اور غزوات ان کی نعتیہ شاعری کے اہم موضوعات ہیں۔ ''موج کوثر'' ان کی طویل نعت ہے جو (۱۸۵) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کی ردیف صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ اپنی نعتوں میں حدود شریعت کی بڑی پابندی کرتے ہیں خلفائے راشدین ہے۔ اس زمین اور اس ردیف میں بہ تبدیلی قافیہ سینکڑوں شعراء نے طبع آزمائی کی لیکن اقبال سہیل کی نعت کے کیف واثر اور قوت وجذب کو نہیں پا سکے۔ نمونہ درج ذیل ہے ؎

احمد مرسل فخر دو عالم' صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اول مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

جسم تزکی روح مصور قلب تجلی نور مطہر حسن سراپا خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

حکیم الشعراء امجد حیدر آبادی (م ۱۳۸۰ھ) صنف رباعی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کے اکثر شعری مجموعوں میں نعتیہ کلام ملتا ہے۔ ریاض امجد (جو دو حصوں پر مشتمل ہے) حج امجد اور نذر امجد میں بکثرت نعتیہ مضامین و موضوعات ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری تصوف و عرفان کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ لیکن ادبی وفنی خوبیوں شاعرانہ حسن اور طرز ادا کی خوبی کے سبب ہر حلقے میں مقبول ہے۔ نور قدم عشق نبی۔ ہجر مدینہ اور استمداد و استغاثہ امجد کی نعتیہ شاعری کے اہم موضوعات میں امجد کی نعتیہ رباعی کا نمونہ درج ذیل ہے ؎

رخ مہر ہے قد خط شعاعی کی طرح وہ گلہ امت میں ہے راعی کی طرح

اس ختم انبیاء کا آخر میں ظہور ہے مصرع آخر رباعی کی طرح

''مدینہ کی جوگن'' امجد کی ایک مشہور نعت ہے جو مسدس کی ہیئت میں ہے۔ اس نظم کا مزاج و ماحول خالص ہندوستانی اور زبان و بیان ہندی عناصر سے مملو ہے۔ اس میں انہوں نے ایک عورت کی زبان سے حب رسولؐ کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ نمونہ درج ذیل ہے ؎

آئی برہ کی ماری تیرے لیے بروگن درشن سے اپنے کردے دل شاد چشم روشن

ہاں کب سے رو رہی ہوں رکھ کے منہ پہ دامن کب سے کھڑی ہے داتا در پہ ترے بھکارن

جوگن کی جھولی بھر دے وہ رام نام والے اس بت کو رام کر دے وہ رام نام والے

دور جدید میں لکھنوی نعت گوئی کی روایت کو آگے بڑھانے میں حمید صدیقی (۱۳۸۵ھ) کا بڑا حصہ ہے۔ وہ ایک راست باز مسلمان اور سچے عاشق رسول تھے۔ وہ جگر مرادآبادی کے شاگرد اور بیدم وارثی کے رنگ کے پیرو تھے۔ ان کی نعتوں کے مجموعے ''کلبانگ حرم'' کو بڑی شہرت اور عام قبولیت حاصل ہوئی۔ ان کی نعتوں کا امتیازی وصف جذبہ شیفتگی رسولؐ ہے۔ جو ان کی تخلیقی توانائی کا مصدر اور محرک ہے۔ ''کلبانگ حرم'' کے دیباچے میں انہوں نے لکھا ہے۔

"مجھے سوائے ذکر حبیبؐ اور کوئی صنف شاعری محبوب نہیں ہیں اس رنگ میں اب کھو گیا ہوں کہ یاد مدینہ اور رسولؐ اکرم کے علاوہ کوئی اور تذکرہ اچھا نہیں معلوم ہوتا" (۴)۔

حمید زائر حرم کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کی نعت گوئی آنحضرتؐ کی ذات گرامی سے اور متعلقات و متعلقات سیرت طیبہ سے والہانہ شیفتگی سے عبارت ہے۔ ان کی نعتوں کی بقول امجد ؎

"ایک خاص کیفیت اور والہانہ پن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کسی کی محبت میں وارفتہ اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دل کے اسرار زبان پر لا رہا ہے" (۵)۔

کلام کا نمونہ درج ذیل ہے ؎

دربار نبی کے جلووں کی وہ بارش پیہم کیا کہیے
وہ صبح کا منظر کیا کہیے وہ شام کا عالم کیا کہیے

حمید اب کچھ نہیں ہے یاد مجھ کو
نبیؐ کا تذکرہ ہے اور میں ہوں

بھینی بھینی پھر شمیم جاں فزا آنے لگی
ٹھنڈی ٹھنڈی پھر مدینے کی ہوا آنے لگی

کس کی تجلیاں ہیں تصور میں جلوہ گر
آئینہ بن گیا ہے مرا دل نہ پوچھئے

نعت کے وسیلے معاشرتی و سیاسی سطح پر اصلاح احوال اور ملت کی تعمیر روایت کو فروغ دینے میں ماہر القادری کا نام بھی نہایت نمایاں ہے۔ نعت کی صنف میں ماہر القادری کی اہمیت یہ ہے کہ نعت گوئی میں مروج غیر محتاط رویوں اور مشرکانہ عقائد و تصورات کے خلاف سخت تنقید کی۔ چنانچہ اپنی نعتیہ شاعری کے مجموعے "ذکر جمیل" کے دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں:

"یہ دیکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ شاعری کا تاریک پہلو نعت و منقبت میں بھی نمایاں ہو کر رہا۔ بہت سے غلط موضوع اور بے سر و پا باتیں شاعری کی بدولت مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ عقیدت اور محبت کے غیر محتاط جوش میں اس قسم کے چٹخاروں کو لوگ گوارا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان چٹخاروں نے مستقل عنوانات کی صورت اختیار کر لی اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ

محبت وعقیدت اور پرستش میں بہت ہی نازک فرق ہے۔ غیر محتاط عقیدت
پرستش بن جاتی ہے"(۶)۔

ماہر القادری نے عملاً نعتیہ شاعری کا ایک صحیح اور حقیقت پسندانہ معیار قائم کیا جو قرآنی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے۔ اس میں عقیدہ توحید کی خاص پاسداری کی گئی ہے۔ انہوں نے اپنی نعتوں کو حضور اکرمؐ کے اسوہ حسنہ کے روشن پہلوؤں کا آئینہ بنایا لیکن صفات نبوی کے ساتھ ساتھ تعلیمات نبوی پر بھی خاص زور دیا۔ عشق نبیؐ کی بات کی لیکن اس احتیاط سے کہ شریعت کا دائرہ قطع نہ ہو۔ غلوئے عقیدت اور مشرکانہ بدعات سے اجتناب اور توحید ورسالت میں حد امتیاز ان کی نعتیہ شاعری کے نمایاں اوصاف ہیں۔ ماہر کے کلام کی ایک خصوصیت اس کی سادگی۔ سلاست۔ روانی۔ اور صفائی ہے۔ زبان عموماً صاف سادہ اور عام فہم ہے لیکن حضور ختمی مرتبت کے اوصاف کے بیان میں قرانی آیات احادیث شریف اور تاریخ وسیر کی کتابوں کے بلیغ حوالوں سے اپنے اشعار کو مزین کرتے ہیں۔ خیلات کی تازگی اظہار کی ندرت اور جذبات عشق کے اظہار میں حسب مراتب اور پاس ادب کے گہرے شعور کے سبب ماہر کے نعتیہ اشعار ایک خاص انفرادیت کے حامل ہیں۔

ماہر القادر کی نعتیہ شاعری سے ان کی شخصیت اور فکر وفن کا تحریکی مزاج صاف ہویدا ہے۔ ہادی اعظمؐ کی مقدس زندگی کے ان واقعات کو نظم کرنا جو دعوت حق کے مظہر ہوں ماہر کی نعتیہ شاعری کا مرکز ومحرک ہے۔ "ظہور قدسی" ماہر کی سب سے مشہور ومقبول نعت ہے۔ جس میں آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت کی نہایت دل آویز اور جاندار مرقع کشی کی گئی ہے۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

سحر کا وقت ہے معصوم کلیاں مسکراتی ہیں ہوا میں خیر مقدم کے ترانے گنگناتی ہیں
مئے عشرت جھلکتی ہے ستاروں کے کٹوروں سے ابلتی ہے شراب خلد مٹی کے سکوروں سے
ابھی جبرئیل اترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے

مبارک ہو شہ ہردوسرا تشریف لے آئے　　　مبارک ہو محمد مصطفیٰ تشریف لے آئے

اسی نعت میں انہوں نے بارگاہِ رسالتمآب ؐ میں جو سلام پیش کیا ہے اس میں آنحضرتؐ کے اوصاف حسنہ کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان پر آپؐ کے احسانات اور آپؐ کے فیوض وبرکات کا بھی خاص تذکرہ کیا ہے۔ اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے ؎

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی　　　سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے　　　سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی

ماہر نے جب نعت گوئی شروع کی تو اس وقت ترقی پسند تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ نعت کے تعلق سے ترقی پسند شعراء کا رویہ غیر موافقانہ بلکہ معاندانہ رہا۔ چونکہ ترقی پسند تحریک جس فلسفے اور نظام فکر کی ساختہ و پرداختہ تھی اس کی بنیاد مذہب کی نفی پر استوار کی گئی تھی۔ اسی وجہ سے ترقی پسند شعراء نے مذہبی موضوعات ومضامین سے نہ صرف یکسر لاتعلقی برتی بلکہ تضحیک آمیز رویہ بھی اختیار کیا۔ یہ روش ترقی پسند تحریک کے پہلے ربع کے دوران برقرار رہی۔ جس کے دوران نعت گوئی تو دور رہی شاعری میں نعتیہ حوالوں کو بھی ہدف تنقید بنا کر ان تخلیقات کی حوصلہ شکنی کی جاتی رہی جن میں نعتیہ یا مذہبی حوالے کا اظہار ہوا ہو۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ شدت ختم ہوتی گئی اور بعد میں معتدد ترقی پسند شعراء نے نعتیں لکھیں جن میں جوشؔ اور فراقؔ بھی شامل ہیں۔ ترقی پسند شاعروں کی نعت گوئی میں اسلامی نظام حکومت اور نفاذ شریعت کے بجائے جناب رسالتمآب کی سیرت اقدس کے ان پہلوؤں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ جن سے ان شعراء کے خیالات ونظریات کو تقویت پہنچتی ہے اور جو ان کے خیالات کی اشاعت میں معاون ہوسکتے ہیں۔ جیسے مساوات

اخوت ومحبت عدل وانصاف ۔ جراءت اظہار بے باکی ۔حق گوئی ۔امانت ودیانت وغیرہ ۔ان شعراء نے نعت کو اشتراکی روایئے سے استعمال کر کے معاشرتی اور طبقاتی کش مکش کو ابھارنے کی کوشش کی ۔ترقی پسند شعراء کی نعتوں کی لفظیات اور مزاج وماحول قطعاً غیر مذہبی ہوتا ہے ۔اس میں قرآن وحدیث کا کوئی حوالہ اور آنحضورؐ کے معجزات وعبادات اور آپؐ کے اسمائے مبارکہ کا کوئی ذکر نہیں ہوتا ۔ان امور سے قطع نظر ترقی پسند شعراء نے فنی اعتبار سے نہایت معیاری نعتیں لکھیں اور حضور اکرم کی سیرت وکردار کے بعض گوشوں کو عصری احول ومسائل کے پس منظر میں منفرد اور موثر انداز میں پیش کیا ۔انہوں نے اپنے خاص دائرے میں نعت گوئی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے ان شاعروں میں احمد ندیم قاسمی ۔قتیل شفائی اور احمد فراز وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

دورحاضر میں ترقی پسند تحریک کے فکری سیلاب سے بچ کر اپنے مخصوص انفرادی اسلوب میں حالی' اقبال اور ظفر علی خان کی قومی اور ملی شاعری کی روایت کو جس شاعر نے فروغ دیا وہ عبدالعزیز خالد ہیں ۔خالد نے نعت گوئی کا ایک خاص انداز اختیار کیا جو انہیں قدیم اور جدید دونوں شعراء سے منفرد اور ممتاز کرتا ہے ۔وہ نعت گوئی میں ایک خاص اسلوب کے مخترع ہیں۔ان کا یہ اسلوب وسیع علمیت نیز عربی' فارسی اور ہندی زبانوں پر ان کی دسترس کی دین ہے۔ ڈاکٹر محمد طلحہ رضوی برقؔ خالدؔ کے اسلوب نعت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تلمیحات اور آیات قرآن کے فقرے' جملوں کی ساخت' مصرعوں کی نشست' بندش کی چستی' مشتقات کا حسن' تشبیہات کی تازگی' اشعاروں کی ندرت' ٹکڑوں کی سجاوٹ' قافیوں کی دریافت' لب ولہجہ کا بھرم' تاریخ کا مطالعہ' قرآن واحادیث پر نگاہ' واقعات ومعجزات کا علم' بحر ووزن کا انتخاب' زور بیان' انداز فکر' اظہار علم لسان غرض کہ عربی فارسی قصائد کی تمام روایتی شان پوری طرح جلوہ گر ہے۔جو فی زمانہ خالد اور صرف خالد کا حصہ ہے''(۷)۔

خالد کی نعتیہ شاعری کا انفرادی رنگ ان کے مجموعوں کے ناموں سے جھلکتا ہے جیسے

فارقلیط۔ منحمنا۔ ماذ ماذ۔ عبدہ وغیرہ۔ ان مجموعوں کے نام خالد نے رسول اکرمؐ کے اسماء مبارکہ پر رکھے ہیں جو صحائف آسمانی اور کتب سابق میں مذکور ہیں۔ ان اسماء کی معنوی صفات کی وسعت اور بلاغت کے سبب خالد نے انہیں ازسرنو دریافت کیا ہے۔ اسلوب کے علاوہ خالد کی نعتیہ شاعری کے موضوعات میں بھی ابلاغ و اختراع کا وصف ملتا ہے۔ خالد کی نعت عظمت رسولؐ۔ ختم نبوت۔ رحمت اللعالمین۔ اتباع رسولؐ۔ اسمائے رسولؐ۔ کتب سابقہ کی بشارتیں۔ آنحضرتؐ کی سیرت وسوانح کے واقعات شمائل۔ وخصائل اور آنحضرتؐ کے اوصاف جمیلہ سے لے کر حمد باری تعالیٰ اور منقبت باری تعالیٰ کے موضوعات تک کو محیط ہے۔ علوم وفنون۔ اساطیر و تلمیحات۔ تمدن وتاریخ۔ تہذیب وثقافت معاشرت وعمرانیات وغیرہ کے بکثرت حوالوں کی وجہ سے ان کی نعت کا دائرہ بڑی وسعت اختیار کرتا ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد کی خلافت اور ملوکیت نیز ملت اسلامیہ کے عروج وزوال اور تاریخ و واقعات کے تذکار کے باعث خالد کی نعت تاریخ اسلام اور ملت بیضا کے مدوجزر کی ترجمان بن گئی ہے۔ انہوں نے نعت میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے واقعات کے ساتھ ساتھ قوم کو درپیش حالات ومسائل کا بھی ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے ان کی نعت میں عصری آگہی اور عصری حسیت کے عناصر بھی اپنی جگہ پاتے ہیں۔ اسمائے رسولؐ کی تلاش اور ذکر خالد کا خاص موضوع ہے۔ ان کے ہاں آنحضرتؐ کے اسمائے مبارکہ کو سمونے کا ایک خاص سلیقہ ملتا ہے۔ وہ موضوع اور مضمون کی مناسبت سے رسول خدا کو اس نام مبارک سے یاد کرتے ہیں جو اس موقع سے مناسبت رکھتا ہے اور اس کی معنویت میں اضافہ کرتا ہے۔ کہیں کہیں کسی خاص پس منظر کے بغیر بھی محض ضمنی انداز میں آسمائے رسولؐ مذکور ہوتے ہیں۔ مثلاً درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں ؎

تو ہے عزِ عرب تو ہے فخرِ عرب عین جود وکرم — اے خطیب امم رانی و شافی و کافی و مکتفی

مصطفیٰ ۔ مجتبیٰ متقی ہادی مہدی ہدیہ ہدیٰ — صالح و مصلح و سید المرسلین و عفو و ولی

تو رؤف ورحیم وکلیم وحریص علیم بھی تو — تو مجیب وحجاب ومکیں ومبین ومتین وقوی

تو ہے مشہور و مامون موصول و مختار و بر و بجر تو ہے بالغ مبلغ تو طیب مطیب صفوح وصفی
تو ہے اکلیل وجبار و مدثر خاتم الانبیاء تو مذکر مبشر موئل بشیر و نذیر و نقی
تو ہے مصباح و مفتاح و ذو فضل وذو عز وذو قوی تو ہے یٰسین و لٰسین وطٰہٰ وحید و احید و تقی

عبدالعزیز خالد من حیثیت المجموع۔ نعت گوئی کے فن میں ایک منفرد ومعیار اور اغیار کے حامل ہیں۔ ان کا لہجہ تازہ اور اسلوب نیا ہے۔ لیکن ان کا شمار جدیدیت پسند شعراء میں نہیں ہوتا۔ عصر حاضر میں جدیدیت پسند شعری رجحان کے حامل وعلمبردار شعراء نے بھی صنف نعت پر خصوصی توجہ کی ہے۔ ان شعراء نے موجودہ زمانے کے اس روحانی اور جذباتی کرب کو نعت کے وسیلے سے تسکین آشنا کرنے کی کوشش کی ہے جو مادیت کے غلبے اور علوم وفنون کی ترقی اور جدید سائنس وٹکنالوجی کے پیدا کردہ تہذیبی وتمدنی مسائل کا نتیجہ ہے۔ ان شعراء کے ہاں شکست ذات۔ تنہائی اور حالات کی بے سمتی اور زندگی کی بے معنویت کے احساس کے حوالے سے آنحضرت کی ذات گرامی سے استمداد و استغاثے کا انداز ملتا ہے۔ وقت اور حالات کے تپتے ہوئے صحرا میں ذات نبویؐ انہیں روحانی سکون اور ٹھنڈک کا سرچشمہ نظر آتی ہے۔ ان شعراء کے ہاں نعت کا اساسی عنوان تو حضور ختمی مرتبت کی مدحت ونفسیاتی مسائل۔ روحانی تشنگی اور باطل قوتوں کے مقابلے میں امت مسلمہ کی پستی وزوال کے شدید احساس کا بھی ابلاغ کیا ہے۔

جدید لب ولہجہ کے ان شعراء کی نعتوں میں داخلی احساس کے کیفیات کے ساتھ روحانی اور اخلاقی قدروں کے زوال اور ان کی تجدید ونشاط ثانیہ کی تمنا کا اظہار بھی ہوا ہے۔ جدیدیت کے رجحان کے حامل نعت گو شعراء نے موضوعات کے تنوع کے ساتھ نعت گوئی کے اسالیب اور ہیئتوں میں بھی نئے تجربے کئے۔ غزل کے علاوہ سانیٹ۔ ہائیکو۔ معریٰ اور آزاد نظم نیز نثری نظم جیسی جدید ترین اصناف سخن میں غیر ملکی زبانوں سے درآمد کی گئی ہیں۔ نعتیہ شاعری کا ڈول ڈالا۔ غزل میں حروف تہجی کی طرح دیوان مرتب کرنے کے بجائے سانیٹ اور ہائیکو جیسی مغربی اصناف میں نعتیہ شاعری کے مجموعے مرتب کئے گئے۔ اردو کے ان جدیدیت

پسند شعراء میں جنہوں نے نعتیہ شاعری کے موضوعات افق کے ساتھ ہیئت واسلوب کے تنوع کو بھی اپنی فنی وفکری صلاحیتوں اور تجربات سے مالا مال کیا۔ صلاح الدین پرویز۔ عمیق حنفی اور علیم صبا نویدی کے نام اہم ہیں۔ ان میں علیم صبا نویدی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے اردو میں پہلی مرتبہ سانیٹ اور ہائیکو کی اصناف میں نعتیہ شاعری کے مستقل مجموعے پیش کئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے غزل کی ہیئت میں بھی نعتیں لکھی ہےں۔ پیش آیند اوراق میں مختلف عناوین کے تحت تنقید وتحسین کی مختلف جہتوں سے علیم صبا کی نعتیہ شاعری کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور ان کے لب ولہجے کی ندرت۔ فکر کی تازگی۔ تخلیقی اپج اور ہیئت واسلوب کے نئے تجربوں کو ادب اور فن کے معیاروں اور صنف نعت کے اصولوں پر پرکھنے کا سعی کی گئی ہے۔ نیز نعتیہ شاعری کے پس منظر میں علیم صبا کے تجربات کی اہمیت و افادیت اجاگر کرتے ہوئے ان کی قدروقیمت کا تعین کیا گیا ہے۔

حوالے وحواشی:

(۱) اُردو کی نعتیہ شاعری۔ ص ۳۵۔
(۲) اُردو میں قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ۔ ص ۳۵۳۔
(۳) اردو کی نعتیہ شاعری۔ ص۔ ۷۵۔
(۴) بحوالہ اردو شاعری میں نعت۔ ص۔ ۱۷۳
(۵) بحوالہ ڈاکٹر ریاض مجید۔ ص۔ ۳۹۱ (اردو میں نعت گوئی)
(۶) ریاض مجید۔ اردو میں نعت گوئی۔ ص۔ ۳۹۷۔
(۷) اسماعیل آزاد۔ اردو شاعری میں نعت۔ ص ۱۹۱۔

علیم صبا نویدی کے حالاتِ زندگی

علیم صبا نویدی کی ولادت ۲۸ر فبروری ۱۹۴۲ء کو ٹمل ناڈو (مدراس) کے ضلع شمالی آرکاٹ کے ایک قصبے آمور (والاجاہ روڈ) میں ہوئی۔ ان کے والدِ محترم سید غوث پاشاہ حسینی القادری المتوفی ۱۹۸۱ء ایک شریف النفس اور سیدھے سادے آدمی تھے وہ مدراس گورنمنٹ میڈیکل اسٹور میں ملازم تھے۔ گو وہ ایک معمولی پڑھے لکھے آدمی تھے لیکن خلق و کردار میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور انہیں شعروفن سے روحانی علاقہ تھا جو ان کے فرزند ارجمند علیم صبا نویدی کی شخصیت میں پورے آب وتاب کے ساتھ ودیعت ہوا۔ علیم صبا نویدی کا ننھیال دولت علم سے مالا مال تھا۔ چنانچہ ان کے نانا شاہ محمد مرتضیٰ چشتی القادری مدراس میں لائق استاد تھے اور ان کی والدہ کے نانا حضرت شاہ محمد امین الدین چشتی القادری شطاری صاحب حال بزرگ گزرے ہیں۔ علیم صبا نویدی کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا سلسلہ نسب دادا سید شاہ عبدالغفار چشتی القادری آرکاٹی کی جانب سے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے جاملتا ہے تو نانا کی جانب سے حضرت

امیر المومنین عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ اس طرح علم تصوف اور شعر وسخن کی روشنی ان کے خاندان نے وراثتاً پائی ہے۔

علیم صبا نویدی کی والدہ کا نام شرف النساء بیگم عرف پیرانی بی (متوفی ۲۰۰۰ء) کا تعلق بھی آرکاٹ سے رہا ہے۔ وہ نہایت نیک خصلت اور بلند کردار کی حامل خاتون تھیں علیم صبا نویدی کے خاندان سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر محبوب پاشاہ محبوب (التوفی ۲۰۰۲ء) نے نعتیہ مجموعے "ن" کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> "علیم صبا نویدی آرکاٹ کے ایک عارفانہ خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے روحانیت سے معمور ہیں۔ میرے خیال میں یہی روحانیت بصورت شعروادب ان کو ورثہ میں ملی ہے۔ ان کا ددھیال ٹمل ناڈو کے مشہور ومعروف سادات حسینی سے تعلق رکھتا ہے اور ان کے نانا مدراس کے مشہور عارف پیر ومرشد شاہ محمد امین الدین شطاری فاروقی (التوفی ۱۹۳۸ء) تھے جو اپنے وقت کے جید علماء میں گنے جاتے تھے۔"

علیم صباء نویدی کے چار بھائی اور دو بہنیں ہیں ایک بہن نجم النساء شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ دوسری بہن حافظ النساء جسمانی اعتبار سے معذور اور غیر شادی شدہ تھیں اور وہ علیم صبا نویدی کے زیر عاطفت ہی میں فروکش تھیں وہ اپنی والدہ کی وفات کے ٹھیک ۲۰ ویں دن اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ چار بھائیوں میں تین شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ علیم صبا نویدی سب سے بڑے ہیں۔ دوسرے برادر سید شمس الدین حسینی (التوفی ۲۰۰۵ء) ہیں جو خیاط تھے۔ تیسرے بھائی کا نام سید صلاح الدین حسینی (التوفی ۲۰۰۴ء) ہے جن کا آٹو موبائیل کا کاروبار تھا۔ چوتھے سید حامد حسینی ہیں جو اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد میڈیکل اسٹورس میں سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے۔' جنہوں نے ۳۰ جنوری ۱۹۹۵ء کی رات داعی اجل کو لبیک کہا۔ پانچویں برادر کا نام سید شہاب الدین حسینی ہے جو اپنے بھائی کی طرح خیاط ہیں۔

یہ نہایت خوش بختی کی علامت ہے کہ علیم صبا نویدی اپنے بھائیوں میں محبوب اور مقبول ہیں اور ان کے خاندان میں کسی قسم کی پھوٹ ہے نہ نا اتفاقی اور یہ علم و عمل کے علاوہ خلوص و محبت کا ثمرہ ہے جو انہیں ورثے میں ملا ہے۔ ان کے خاندان میں خوش حالی ہی نہیں خوش اخلاقی بھی اپنی انفرادیت سے متاثر کرتی ہے۔

علیم صبا نویدی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے تہذیب و تمدن کی کہنہ قدروں کو سینے سے لگا رکھا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ علیم صبا نویدی' مشترکہ رہن سہن کو اختیار کرتے ہوئے ایک مختصر سے کمرے میں اپنی حیات گزار رہے ہیں جب ان کے علمی و تحقیقی کارناموں کو دیکھ کر ان کے مکان کے اختصار کو دیکھا جاتا ہے تو حیرت سی ہونے لگتی ہے کہ ایک چھوٹے سے کمرے میں رہ کر علیم صبا نویدی نے کیسے کیسے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ علیم صبا کے والدین کثیر العیال تھے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم نہ دلا سکے لیکن کیا خبر تھی کہ ان کا یہ ہونہار لڑکا ان کے خاندان کا نام روشن کردے گا۔ تعجب اس امر پر ہے کہ وہ بچپن میں نہایت ضدی اور شرارتی تھے لیکن جوں جوں عمر پختہ ہوتی گئی وہ مائل بہ تعلیم ہوتے گئے۔ ظاہر ہے کہ جب تک علم حاصل کرنے کا ذوقِ کامل کسی کے اندر نہ پایا جائے اس وقت تک علم کے موتی دامن میں سما نہیں سکتے۔ علیم صبا نویدی نے جب وادی علم و فن کی جانب قدم اٹھائے تو بہر حال اس راہ پر خطر میں کیل کانٹے نمودار ہوتے گئے لیکن آخر میں انہوں نے اپنے ذوق و شوق کی چنگاریوں کو شعلہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور بہت جلد وہ اس وادی کے شہسوار بن گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ذاتی لگن اور جدوجہد سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ان کی ابتدائی تعلیم کا آغاز مدراس کے مشہور شاعر اور ادیب حضرت راجی صدیقی مرحوم (المتوفی ۱۹۸۹ء) کے مکتب سے ہوا۔ پھر انہوں نے شہر مدراس کے مشہور اسکول گورنمنٹ مدرسہ اعظم (سابق آرٹس کالج) سے ۱۹۵۹ء میں ایس ایس سی میں دوبار ٹمل زبان و ادب میں ناکام ہونے کے بعد یہی امتحان ۱۹۶۰ء میں مسلم ہائی اسکول مدراس سے کامیاب کیا۔ اس کے بعد نیو کالج مدراس سے ۱۹۶۱ء میں پی یو سی کا امتحان کامیاب کیا

بعدازاں ۱۹۶۲ء میں جمالیہ عربک کالج پیرمبور سے ادیب کامل کا امتحان کامیاب کیا اور پھر ۱۹۶۸ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے کی سند حاصل کی۔ علیم صاحب کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا سہرا مولانا پروفیسر سید عبدالوہاب بخاری مرحوم اور ڈاکٹر احمد حسین مرحوم کے سر جاتا ہے۔

علیم صبا نویدی کے یہ تمام امتحانات محض ان کی ذاتی خواہش کے سبب وقوع پذیر ہوئے ورنہ وہ بذات خود اتنا جانتے ہیں کہ ان اسنادات کی چنداں ضرورت ہی نہیں۔ چنانچہ انہوں نے تحصیل فن کے سلسلے میں آرکاٹ، ویلور، وانمباڑی، پیاری بیگم پیٹ (پرنامبٹ) گڑیاتم، پلی کنڈا ترنامل، والا جاہ پیٹ، رانی پیٹ، کڈپہ، حیدرآباد، بنگلور اور دیگر شہروں کی خاک چھاننے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہی طرز فکر اور انداز حصول فن نے انہیں شاعر سے محقق بنادیا۔ چنانچہ ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ ایک اچھا شاعر ایک اچھا محقق بھی ہو علیم صبا نویدی کی کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر شاعر ہیں یا محقق چنانچہ جہاں ان کی بے شمار تصنیفات ان کی شعرگوئی سے متعلق ہیں تو متعدد تصانیف ان کے تحقیقی شوق پر دال ہیں۔ یہ کیا کم کارنامہ ہے کہ موصوف نے ایک طویل عرصے تک ایک موضوع پر داد تحقیق دی اور دنیائے ادب کو ٹمل ناڈو کی تین سو سالہ ادبی تاریخ (ٹمل ناڈو میں اردو) سے متعارف کروایا۔ یہ کتاب ان کی پہلی تحقیقی وتنقیدی تصنیف ہے جس کی طباعت طوالت میں پڑتی گئی اور یہ حال ہی میں منظر عام پر آئی ہے۔ علیم صبا نویدی ایک جفاکش انسان ہیں روزگار کے سلسلہ میں وہ مدام مستعد رہے اور مختلف شعبہ حیات میں انہوں نے ملازمت اختیار کی چنانچہ موصوف نے ابتدا ٹمل ناڈو الکٹریسٹی بورڈ میں ملازمت کی یہ ۱۹۶۰ء کا زمانہ تھا۔ ۱۹۶۱ء میں اگریکلچر ڈپارٹمنٹ میں ملازم ہوئے اس کے بعد مدراس کلکٹریٹ میں عارضی آسامیوں پر تین تین اور پانچ پانچ مہینوں کی ملازمت کے بعد مستقل طور پر وہ نومبر ۱۹۶۱ء میں مدراس پورٹ ٹرسٹ کے شعبہ اسٹورس سے وابستہ ہوئے۔ جہاں ابتداً وہ اسٹور سپروائزر (Store Supervisor)، پرچیز آفیسر (Purchase officer) اور اس کے بعد اسسٹنٹ کنٹرولر آف اسٹورس (Assistant Controller of Stores) کے عہدے پر پہنچ کر وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

علیم صبا نویدی نے ۱۶ جنوری ۱۹۶۹ء کو پہلی شادی ایک متمول اور تعلیم یافتہ گھرانے کی لڑکی مجیب النساء (افسر جہاں) سے کی۔ لیکن چند در چند مجبوریوں اور نامساعد حالات کے سبب یہ بندھن ٹوٹ گیا۔ شادی کے رشتہ کو قائم رکھنا زیادہ تر عورتوں کے سر ہوتا ہے۔ بیوی اگر رشتہ ازدواجیت کو توڑنا نہ چاہے تو وہ صبر و شکر کے دامن کو بہر حال و بہر صورت تھام سکتی ہے لیکن خوش حالی تعلیم اور آزادانہ فکر و مزاج کہاں عورتوں میں تحمل رہنے دیتا ہے۔ چنانچہ علیم صبا نویدی کی ذات ملزم ٹھہری اور یہ رشتہ منقطع ہوگیا۔ جہاں دیدہ عورتیں کسی قانونی بندھن میں دیرپا نہیں ہوتیں۔ یہ دور ظاہر ہے کہ شاعر زندہ روح کے لیے جاں سوز عرصے سے کم نہ رہا۔ لیکن محبت بہر حال محبت ہوتی ہے۔ گو یہ رشتہ ٹوٹ گیا لیکن عشق و محبت کے نقوش ان کے ذہن و دل پر ایک عرصہ تک مرتسم رہے علیم صبا نویدی نے اپنی پہلی شعری تصنیف ''طرح نو'' جو ۱۹۷۵ء میں منظر عام پر آئی اس کا انتساب خوبصورت لفظوں میں اپنی پہلی اہلیہ کے نام رکھا'' اس مجیب کے نام جس نے میری ذہنی آنکھ کو نئی غزل کی روشنی دی۔''

نیز جب ۱۹۷۷ء میں ان کا دوسرا مجموعہ ''لمس اول'' شائع ہوا تو اس کا انتساب بھی ان کی پچھلی محبتوں کے نقوش سے مملو رہا لیکن انتساب کی انفرادیت بہر حال ادبی انفرادیت بن کر منظر عام پر آئی۔ ''لمس اول'' کا انتساب کچھ یوں ہے:

اس افسر جہاں کے نام جس کے لمس کی خوشبو کی مٹھاس

آج تک بھی میرے ذہنی سفر کے ہونٹوں پر ہے

اور

تحفۂ خلوص

میری اہلیہ فریدہ بیگم عرف سعید النساء کے لیے

علیم صبا نویدی نے اپنی سابقہ بیگم افسر جہاں سے کس قدر نالاں رہے اس کا ثبوت بھی ان کی تیسری کتاب سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جب ۱۹۸۰ء میں اپنے افسانوں کا مجموعہ

''شگاف درشگاف'' شائع کیا تو اس کا انتساب بھی اسی خاتون کے لیے مختص کیا لیکن ''منفی'' یہ منفی انتساب ان کے ذہنی کرب اور روحانی تکلیف کا آئینہ دار ہے۔

''اس افسر جہاں کے نام جس کے مکروفریب نے مجھے زندگی کے بعض تلخ حقائق کو افسانوی روپ دینے کا شعور بخشا۔''

پروفیسر ڈاکٹر نجم الہدیٰ (صدر شعبۂ اُردو' عربی' فارسی' مدراس یونیورسٹی) اپنی کتاب ''علیم صبا نویدی آسمان فن کا سفیر'' میں رقم طراز ہیں:

''یہاں شخص کے مکروفریب کی ناگوار اور تاریک صورت حاصل کرنے کے تذکرے کے باوجود اس کی شعور بخشی کا اعتراف برملا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ کرب واذیت اندرون ہے جس نے علیم کو اپنی ذات کے اندر کی جانب سفر پر مائل کیا اور اس ٹوٹنے اور بکھرنے کے عمل سے وہ راز زندگی کو بہت حد تک سمجھ سکے ہیں۔ اسی شئے نے انہیں تصوف کی طرف بھی متوجہ کیا اور اسی سے وہ اپنے فن کی مختلف جلوہ گاہوں کی تزئین وآرائش میں کامیاب ہو سکے ہیں۔''

اسی اذیت اندرون اور ٹوٹنے اور بکھرنے کے عمل کو مولانا کاظم نائطی نے ''لہجہ تراش'' میں علیم صباء کے فن کے نکھرنے کا سبب بتایا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

''علیم کی شاعری کو نئی لو نیا اسلوب' نیا لہجہ اور نیا آہنگ بخشنے میں ان کی زندگی کے ایک عظیم المیہ کا بھی ہاتھ ہے۔ یہ وہ المیہ ہے جس نے نہ صرف اس کی روح کو جھنجوڑا ہے بلکہ سوسائٹی میں اس کے امیج کو مسخ کرنے اور اس پر بدنامی کے تازیانے لگانے کی بھی کوشش کی ہے۔''

علیم صبا نویدی کے ادب میں جنس کی فراوانی دراصل ان کے اسی المیہ کے منفی پہلوؤں کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عدو سے انتقام کی صورت گری کچھ اس انداز سے کی ہے کہ یہ

ایک طرح کا طنز بھی سمجھا جائے گا۔ بعض وقت ادیب مثبت رجحانات کا حامل ہوتے ہوئے بھی منفی رجحانات کا پیکر بن جاتا ہے۔ محض اس لیے کہ وہ سماج کو شعوری طور پر بھی دینا چاہتا ہے اس میں نجی کرب کے اندازے شامل ہو جاتے ہیں اور کرب انسان کو وہ کرنے پر یا وہ لکھنے پر مجبور کر دیتا ہے جو وہ ہرگز روحانی طور پر نہیں چاہتا۔ علیم صبا نویدی ایک شریف انسان اور ایک اعلیٰ خاندان کے پروردہ ہیں۔ ان سے تیسرے درجے کے ادب کی امید لایعنی ہے مگر انتقامی طور پر جوادب سامنے آیا ہے وہ ان کا ایسا پہلو سمجھا جائے گا جو طنز کے طور پر جلوہ گر ہوا ہے۔

مولوی حکیم محمد یعقوب اسلم نے ''عکس در عکس'' میں ان کے جنسی ادب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''آج علیم کی شاعری میں بھرپور احساس لمس کی تیز لویں بل کھاتی جو نظر آتی ہیں وہ اس المیہ کی ضربوں کا نتیجہ ہے۔ سچ پوچھیں تو اس المیہ کے بعد علیم کی نظر ہر چیز میں جنس ہی جنس تلاش کرنے لگی۔ علیم کو یہ المیہ نہ ملا ہوتا تو وہ ہزاروں عام شاعروں کی صف میں ہوتا جن کی شاعری محض لفظوں کی صدا ہے۔ جس میں تجربے تو کجا مشاہدے کو بھی دخل نہیں۔''

علیم صبا نویدی نے عقد اولیٰ کی ناکامی کے بعد عقد ثانی کا قدم اٹھایا اور پچھلے تجربوں کی روشنی میں اپنے ہی طبقے کی ایک خالص مشرقی، کم پڑھی لکھی لیکن بے حد سلیقہ منداور سگھڑ گھریلو لڑکی سعیدہ سے شادی کی جس کی خوش مزاجی، تحمل اور خدمت گذاری واقعی قابل رشک ہے۔ اس خاتون نے علیم صبا نویدی کی شخصیت ہی کو نہیں بلکہ ان کے گھریلو ماحول کو بھی یک گونہ سکون، وطمانیت بخشی، چنانچہ ان کے گھر کے ماحول میں اب گھٹن، افراتفری اور غیر اطمینانی کا شائبہ تک نہیں بلکہ آسودگی، یکسوئی اور خوش مزاجی ہی نظر آتی ہے۔ کبھی کسی طرح کی تلخی یا کشیدگی راہ پا نہیں سکتی۔ خواتین اپنے کاموں میں مشغول رہتی ہیں اور باہم مل کر معاملے کو سر کرتی رہتی ہیں۔

علیم صبا نویدی تکلف پسند شخصیت کا نام نہیں۔ انہیں سادگی نے اپنا لیا ہے لباس، رہن،

سہن اور غذا کے تعلق سے وہ انتہائی بے تکلف اور سیدھے سادے آدمی ہیں وہ بے جا رکھ رکھاؤ اور وضعداری کے قائل نہیں۔ جو میسر آ گیا کھالیا۔ جو مل گیا پہن لیا۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ مطلق آدمی گنوار نظر آئے۔ انہیں شعوری طور پر اپنے تعلیم یافتہ ہونے کا شدید احساس ہے اور یہ احساس ان کے لباس سے بہر حال ہویدا ہے۔

علیم صبا نویدی (Hyper Acidity) کے مریض ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ خلو معدہ نہیں رہ سکتے لیکن اس کے باوجود وہ عموی طور پر شکم سیر ہر گز نہیں۔ دوستوں اور مہمانوں کی خاطر مدارات علیم صبا نویدی کا طرہ امتیاز ہے۔ چناں چہ رات ہو یا دن وہ کبھی اہتمام طعام سے چوکتے نہیں جس میں ان کی سلیقہ مند اہلیہ کا بھی ہاتھ ہے۔

علیم صبا نویدی کے واقعات حیات کے مشاہدے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ وہ زندگی کی خوشیوں کو حاصل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ وہ گھر کے باہر گو ایک ادیب و شاعر ضرور ہیں لیکن فی نفسہہ ان میں ایک گھریلو آدمی پوشیدہ ہے ایک کھلنڈرا لڑکا چھپا ہے جو کسی موقع ظرافت و شرارت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

علیم صبا نویدی کی گھریلو زندگی سے متعلق محمد یعقوب اسلم صاحب لکھتے ہیں کہ "علیم صبا نویدی جو گھر سے باہر ایک باوقار ادبی شخصیت کے مالک اور کئی کتابوں کے مصنف' شاعر' ادیب' اور ہندو پاک کے شہرت یافتہ شخصیت کے روپ میں جانا پہچانا ہے گھر کے اندر ایک بالکل کھلنڈرا بچہ اور ایک زندگی اور خوشیوں سے بھر پور گھرانے کا ہر دل عزیز فرد ہے۔ اور عمر کی پچاس منزلیں طے کر لینے کے باوجود اس کے اندر کا بچہ ابھی زندہ ہے اور روز مرہ کی ایسی ہزاروں باتیں ہیں جو اس دعوے کی صداقت پر شاہد ہیں۔ سویرے جب وہ بیدار ہو کر اپنے کمرے کے باہر نکلتا ہے اور ہر حال میں اپنی ماں اپنی بہن یا کسی بھائی یا ان کے بچوں کو سویا ہوا دیکھتا ہے تو چند لمحوں کے لیے ان کے پاس جا کر لیٹ جاتا ہے تا کہ کسلمندی پوری زائل نہ ہو سکے۔ اپنے بھائیوں کے بے شمار چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے وہ زحمت بھی ہے اور رحمت بھی۔ خواہ مخواہ انہیں چھیڑنا ستانا اور

ان کے ساتھ ہنسی مذاق وخوش فعلیاں کرنا یہاں تک کہ کبھی کبھی کسی غلطی کے بغیر ہی محض تفنن طبع کی خاطر ان کو مار کر رلانا پھر چند سکے' مٹھائی وغیرہ دے کر انہیں منانا اور دل بہلانا اور انہیں اپنی اسکوٹر پر اسکول پہنچانا روزمرہ کے معمولات میں سے ہیں۔ دستر خوان پر یا اس سے ہٹ کر بھی کوئی اچھی چیز نظر آ جائے تو گھر کے کسی بچے کی شرکت اس میں لازمی ہوتی ہے۔ علیم کے گھر کے متصل ہی ان کے مرحوم ماموں کا گھر ہے اور بیوہ مومانی اور ان کے بچوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے مسائل میں شریک ہونا بھی علیم کے مزاج کا ایک لازمی عنصر ہے۔ اس کے علاوہ دور ونزدیک کے رشتہ داروں کی مسرتوں اور رنج والم میں ساتھ دینا اور ان سے صلہ رحمی' یہ سارے معاملات علیم پوری ذمہ داری کے ساتھ نباہنے کا عادی ہے

علیم صبا نویدی معاشی اعتبار سے خوش حال آدمی ہیں اور وہ اپنی خوش حالی سے دوسروں کی بدحالی دور کرتے رہتے ہیں تاہم ایسے گھرانوں میں عورتوں میں ضرور کچھ نہ کچھ چپقلش چلتی رہتی ہے لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ علیم کا گھرانہ ایسی لغویات سے بری ہے۔

۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۵ء وہ تصنیفات و تالیفات میں اس قدر منہمک رہے کہ انہیں اپنی نجی ضروریات کا خیال رہا اور نہ اپنے گھر والوں کی ضروریات کا۔ ظاہر ہے کہ اردو کے اس زوال آمادہ دور میں جو آدمی اس کی ترقی کے لیے کوشاں ہوگا اس کے ہاں کتابوں کے چھپنے کے لیے بے حد روپیہ خرچ ہوگا لیکن کتابوں کی فروخت کا کوئی راستہ نہ ہونے کے سبب علیم صبا نویدی کی الماریوں میں زیور یا کپڑوں کی بجائے صرف کتابیں ہی رکھی نظر آتی ہیں چنانچہ بقول یعقوب اسلم، علیم صبا نویدی کے مکان میں آج تک لکڑیوں پر پکوان ہوتا ہے اور اوکھلی میں مصالحہ جات پیسے جاتے ہیں۔ علیم صبا نویدی کی شریک حیات اور دختر نیک اختر جاویدہ مداری نے کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لایا اور یہ دونوں ہی علیم صبا نویدی کے ادبی کاموں میں معاون ومددگار بھی واقع ہوئی ہیں۔

علیم صبا نویدی کو اپنے بھائیوں اور اپنی والدہ سے بے حد محبت ہے۔ جس کے سبب وہ

علیحدہ مکان لینے کے موقف میں ہرگز نہیں۔ وہ اجتماعی زندگی کے گویا عادی بن گئے ہیں وہ اگر چاہتے تو پورٹ ٹرسٹ کی جانب سے انہیں علیحدہ مکان مل سکتا ہے۔ لیکن انہیں یہ قبول نہیں البتہ قبول ہے کہ وہ سب کے ساتھ ایک ہی مکان میں عسرت وتنگی سے زندگی گذار لیں۔

علیم صبا نویدی نے اپنی وظیفہ یابی کے بعد جو کچھ سرمایہ ،ختر سے ہاتھ آیا اس میں ایک چھوٹا سا خوبصورت فلاٹ چنائی کے دل یعنی (Triplicane High Road) پر خریدا جس میں وہ آج بھی بڑی شان وشوکت اور طمطراق سے قیام پذیر ہیں۔

علیم صبا نویدی سیر وتفریح کے عادی نہیں۔ وہ اس معاملے میں زاہد خشک ہیں نہ سینما' نہ موسیقی' نہ ناٹک نہ تھیٹر۔ ان کے گھر میں T.V ضرور ہے لیکن وہ اس سے استفادے کا خوگر نہیں۔ البتہ احباب کے ساتھ ساحل سمندر پر سیر سپاٹے تک ان کی تفریحات محدود ہیں۔ اس ساحل مرینا کی تفریحات میں جو احباب شریک رہتے تھے اُن کے اسم گرامی حسب ذیل ہیں:

جناب راز امتیاز' جناب حسن فیض' جناب فضل الدین' جناب کاظم نائطی' جناب قدرت اللہ باشا' محمد عبداللہ' وکیل صلاح الدین برق' ڈاکٹر سید رزاق' جناب لیس یم حیات' جناب انور ربانی' جناب آذر بیابانی' پروفیسر غیاث اقبل' جناب ادیب بھارتی' کاتب محمد یعقوب' جناب بدر جمالی' پروفیسر سید علی' حضرت کاوش بدری' حضرت راہی صدیقی' ڈاکٹر عظمت اللہ (مدیر عکس نظر)' پروفیسر رشید مدراسی' وکیل فیاض حسین' جناب ہاشم ضیا مرحوم' حضرت ریاض نموری مرحوم وغیرہم۔

۱۹۶۰ء میں علیم صبا نویدی نے ایک جید عالم دین افضل العلماء مولانا سید عبدالوہاب بخاری مرحوم کے قریب بہت قریب رہ کر ڈاڑھی رکھ لی جو آج تک ان کے چہرے کی زینت ہے۔ علیم صبا نویدی ایک زمانے تک سگریٹ نوشی کے عادی رہے لیکن جب ان کی زندگی نے بھیانک کروٹ لی اور پہلی شریک حیات کی بے وفائیاں بام عروج پر پہنچیں تو انہوں نے اپنی پہلی اہلیہ کے ساتھ ساتھ سگریٹ نوشی کو بھی ترک کردیا۔ چنانچہ اب وہ شوقیہ بھی کبھی سگریٹ ہاتھ میں نہیں

لیتے۔ علیم صبا نویدی تال اور سُر سے کما حقہ واقف نہیں اور نہ ہی آلاپ کا ذوق رکھتے ہیں۔ اس دور میں عموماً گویئے مشاعرہ لوٹ لیتے ہیں اور جو واقعی معیاری شاعر ہو لیکن گلا نہ پایا ہو اس کا مشاعرہ میں چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علیم تحت میں پڑھتے ہیں۔ اس لیے وہ مشاعرہ کے شاعر نہ بن سکے۔ البتہ موخر سالوں میں ان کی شاعری چھپتی ہے اور شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

علیم صبا نویدی ایک بہترین شاعر ہوتے ہوئے ایک سچے اور پکے نیز پابند مسلمان ہیں وہ سنی العقیدہ حنفی ہیں۔ گو ان کے احباب میں ہمہ عقائد لوگ ہیں لیکن وہ تکلف کو پاس آنے نہیں دیتے اور نہ منہ دیکھی کہنے کے خوگر ہیں۔ علیم صبا نے ایک جگہ اپنے عقائد سے متعلق یوں لکھا ہے:

> ''مجھے یقین کامل ہے کہ دربار الٰہی اور بارگاہ محمدیؐ میں میرے پاک جذبوں اور نیک عقیدوں کو ضرور مقبولیت نصیب ہوگی۔ میں نے یہاں عقیدوں کا لفظ خاص طور پر اس لیے استعمال کیا ہے کہ اسلام میں عقیدہ بہت اہم مقام رکھتا ہے۔ اگر عقیدہ کھوٹا ہے تو ایمان کے خزانے کا ہر سکہ کھوٹا نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے کبھی خوش نہیں ہوتا جو دوسروں کے عقیدوں پر ضرب لگاتے ہیں اور اپنی اندورنی زندگی سے ظاہری زندگی میں بہت مختلف ہوتے ہیں۔''

حضرت مولانا راجی صدیقیؒ اور حضرت دانش فرازیؒ کی دستگیری علیم صبا نویدی کی شخصیت کو نکھارنے میں بہت کام آئی۔ چنانچہ ان میں جو اپج اور ترقی نظر آتی ہے وہ ان بزرگوں کا عطیہ ہی ہے۔

علیم صبا نویدی نے ابتداً اثر مجازی کے نام سے لکھنا شروع کیا اور وہ اس زمانے میں ایک شاعر سے زیادہ نثر نگار تھے بلکہ وہ ایک کہانی نویس کی حیثیت سے ہی تسلیم کیے جاتے تھے۔ انہوں نے ایک نامکمل ناول بھی لکھا تھا جس کا نام ''ادھورا پیار'' تھا اور اس میں حضرت مولانا راجی صدیقی کا مشورہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔

علیم صبا نویدی میں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت بچپن ہی سے بدرجہ اتم پائی جاتی ہے جس کا اظہار آئے دن ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ موصوف کے اساتذہ کو بھی اس امر کا شدید احساس تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ لڑکا اپنے خاندان اور اپنے ملک کا نام روشن کرے گا۔ مولانا راجی صدیقی کا بیان ہے کہ ایک شام سید غوث پادشاہ حسینی (جو میرے اچھے دوستوں میں سے ہیں) اپنے ساتھ ایک گول مول سر منڈھا ہوا عجیب وغریب سا بچہ (علیم صبا نویدی) لیے آثار منزل (جہاں ہر شام میری بیٹھک تھی) آئے اور کہا کہ آپ اس بچے کو عربی (قرآن مجید) اور اردو پڑھائیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری کردیا۔ چند ہی دنوں میں اپنے تجربے کی بنیاد پر پہچان گیا کہ یہ لڑکا بڑا ہوکر کسی اچھی صفت کا مالک ہوگا کچھ عرصہ بعد ۱۹۵۶ء میں صبا نویدی نے اپنی صلاحیتوں کو ادب کی طرف موڑ دیا۔ وہ افسانے نظمیں اور غزلیں لکھنے لگے۔ میں ان کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ میرے یہاں آثار منزل میں آنے والے اچھے فن کاروں (مثلاً حضرت محوی صدیقی، پروفیسر سید عظمت اللہ سرمدی، حضرت آثم کرنولی، ضیا فتح آبادی، اثر مجیدی، فرحت کیفی، راز امتیاز، دانش فرازی، سروش داودی، ادیب بھارتی، حضرت عبد مدراسی، گلاب مدراسی، سالک ناطقی، نورس خیامی، کاوش بدری، عارف مدراسی، کاظم ناطقی، حسن فیاض، عابد صفی، بدر جمال، جمیل الدین قادری، نیاز ملک، آذر بیابانی، اعجاز شاکری اور ساحل رشید) کے درمیان ان کے شعری اور ادبی جذبے پروان چڑھتے رہے اور وہ بڑے جوش وخروش سے آگے بڑھتے رہے۔ میں ان کے افسانوں، نظموں اور غزلوں کی باقاعدہ اصلاح نہیں بلکہ صرف نوک پلک درست کرتا رہا۔ اس طرح ان کی ادبی زندگی کے ابتدائی مراحل طے ہوتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۸ء میں انہوں نے حضرت دانش فرازی کی طرف رجوع کیا اور باقاعدہ زانوئے ادب تہہ کیا۔ رفتہ رفتہ دانش فرازی اور راز امتیاز کی علمی وادبی صحبتوں نے ان کے ذہنی وفکری شعور کے راستے متعین کئے اور جدید نگارش اور علاماتی شاعری کی طرف ان کا رخ موڑ دیا۔ دانش فرازی اور راز امتیاز کی شاعری اور ان کے علمی تبحر کا میں شروع سے معترف ہوں۔

علیم صبا نویدی نے شاعری کے میدان کو مستقل طور پر اختیار کیا اور حضرت منشی عبدالعزیز عادل سے رموز شاعری اور فن عروض سیکھے جو اپنے وقت کے استاد سخن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین شاعر، ناول نگار اور ڈرامہ نویس بھی تھے۔ علیم صبا نویدیؔ شاعری کے تمام تر رموز سے آگاہ ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو ہنوز طالب علم تصور کرتے ہیں جو ان کی اعلیٰ ظرفی پر دال ہے اور موجودہ دور کے کم ظرف لوگوں کی طرح نہیں جو اپنے اساتذہ کے اسماء چھپاتے ہیں بلکہ علی الاعلان ظاہر کرتے ہیں کہ میں نے شاعری ان سے اور شاعری کے نکات فلاں سے سیکھے ہیں اور فلاں بات فلاں صاحب سے دریافت کی ہے۔ علیم صبا نے اپنی غزل جو بر طرح ''عمر رواں کے نقش قدم یاد آ گئے'' ۱۹۵۴ء میں کہی تھی جب وہ صرف سولہ سال کے تھے اس سے ان کے ذہنی اُپج اور بلند پروازی کا اندازہ ہوتا ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ علیم صبا نویدی پہلے اثر مجازی کے ادبی نام سے لکھا کرتے تھے اسی قلمی نام سے ماہنامہ ''پرستان'' دہلی، ماہنامہ ''جمیلہ'' دہلی، ماہنامہ ''خاتون مشرق'' دہلی اور ماہنامہ ''جمالستان'' دہلی میں ان کی شعری تخلیقات شائع ہوئی تھیں اور بعد میں انہوں نے علیم صبا نویدی کا قلمی نام اختیار کیا۔ اس تبدیلی تخلص کے واقعہ کو مولانا کاظم نائطی نے ''لہجہ تراش'' میں یوں رقم کیا ہے:

> ''۱۹۶۱ء تک علیم اثر مجازی ہی کے نام سے موسوم رہا ۱۹۶۲ء کی ایک رنگین شام کو حضرت دانش نے علیم کے لیے ''صبا'' تخلص تجویز کیا جسے علیم نے بخوشی منظور کر لیا۔ صبا کے ساتھ جوڑنے کی غرض سے علیم نے چار نسبتیں نویدی' صحرائی' زیبائی اور مجازی حضرت دانش کے روبرو رکھیں تا کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو پسند فرمائیں۔ حضرت دانش نے قرعہ اندازی سے کام لیا اور قسمت نے نویدی تجویز کیا۔ اس دن سے وہ علیم صبا نویدی کے نام سے ادبی دنیا میں متعارف ہو گیا۔''

علیم صبا نویدی جس دور میں ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے وہ دور ترقی پسند تحریک کے اوج و بلندی کا دور تھا۔ چنانچہ ان کی محفلوں میں علیم صبا جاتے ضرور تھے اور ان کی صحبتوں میں وہ

ضرور رہتے تھے لیکن ترقی پسند تحریک کے رجحانات نے ان پر کوئی اثر نہ چھوڑا۔ وہ خدا بیزار اور مذہب بیزار تحریک بھلا ایک اللہ والے کو کیا اپنی طرف راغب کرتی ۔ چنانچہ علیم صبا نویدی نے اس تحریک سے کوئی تاثر نہ لیا اور انھوں نے اپنی راہ خود بنائی ۔ اپنی انفرادیت کا لوہا منوالیا ۔ قدرے جدید لہجے میں شعر کہنا شروع کیا جو خود چلتے چلتے ان کی پہچان بن گیا اس میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ وہ سیاست کے آدمی ہیں نہ نعروں کے دلدادہ۔

علیم صبا نویدی ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خلیق اور احسان مند آدمی بھی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جب بھی اپنے اساتذہ کا نام لیا ہے نہایت عقیدت ومحبت سے لیا ہے اور یہ چیز ان کی زندگی میں خوش بختی بن کر نمودار ہوئی ہے۔ چنانچہ ان کی "طرحِ نو" شائع ہوئی تو اس کا انتساب خود ان کی فکر وتخیل کا آئینہ دار ہے۔

"ان اساتذہ کی خدمت میں

حضرت دانش فرازی۔ حضرت راجی صدیقی جن کے سرچشمہ فیض

والتفات نے میری ذہنی، ادبی اور علمی تشنگی کو سیرابی کے راز سے آشنا کیا۔"

کتابوں کی طباعت علیم صبا نویدی کا محبوب مشغلہ ہے۔ وہ اپنی زندگی کا عظیم سرمایہ محض کتابوں کی اشاعت وطباعت پر خرچ کرتے ہیں۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہنے والا دور بین شاعر بہر حال وبہر صورت اپنی منزل مقصود کو پالیتا ہے۔ چنانچہ ان کے ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے ان کے دوستوں اور بزرگوں نے ان سے ان کی کتابوں کی طباعت کا کام لیا جو انہوں نے نہایت خوش مزاجی سے مکمل کیا۔ یہاں ایک اور اہم ترین بات کا ذکر نہایت ضروری ہے ۔ علیم صبا نویدی سے پہلے ٹمل ناڈو میں اردو کتابوں کی اشاعت کا کام بہت محدود پیمانے پر ہوتا تھا جب علیم صاحب نے اس طرف توجہ دی اور ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز قائم کیا تو انہوں نے ٹمل ناڈو کے فنکاروں کی شعری اور نثری تصانیف کو منصۂ شہود پر لانے کا سلسلہ شروع کیا یہاں تک کہ انہوں نے ایک اور کارنامہ یہ بھی کر دکھایا کہ ایک ہی عظیم الشان جلسہ میں ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز کی بارہ

مطبوعہ کتابوں کی رسمِ اجراء کا انتظام کیا۔ اردو کتابوں کی طباعت میں یہ شاید پہلا عظیم کارنامہ ہے۔ غالباً کسی بھی اُردو مرکز میں ایک ہی جلسہ میں بارہ کتابوں کا اجراء عمل میں نہیں ایا۔ یہ میری اور میرے شوہر پروفیسر محمد علی آثر کی خوش قسمتی ہے کہ ہم دونوں اس جلسہ میں شریک رہے۔ اس جلسہ میں علیم صبا نویدی نے اُردو ادب کی جلیل القدر شخصیات کو مدعو کیا تھا جن میں چند ایک نام جو ذہن نشین ہیں وہ ہیں پروفیسر نجم الہدیٰ' ڈاکٹر طیب انصاری' پروفیسر ناز قادری' پروفیسر سلیمان اطہر جاوید' ٹمل ناڈو کے چیف قاضی پروفیسر محمد صلاح الدین ایوبی' پروفیسر سید صفی اللہ' ڈاکٹر سید سجاد حسین' پروفیسر محبوب پاشا محبوب' مولانا کاظم نائطی' حسن فیاض اور علیم صبا نویدی کے پیر و مرشد مولانا اسمٰعیل رفیعی بھی موجود تھے۔ چنانچہ راقمہ کے شوہر پروفیسر محمد علی اثر کی شعری اور ادبی تصانیف ''حرف نم دیدہ'' ''تحقیقی نقوش'' اور نوادرات تحقیق'' کی خوبصورت اور دیدہ زیب طباعت بھی علیم صبا نویدی کا ایک خوبصورت کارنامہ ہے۔ د نیز ترقیم' مسلک باقیات' مصداق' اکتساب نظر' کڈپہ میں اردو' اوراق جودواں ''ویلور تاریخ کے آئینے میں'' (از مولانا راہی فدائی) بھی ان کے حسن طباعت کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے متعدد کتابوں اور سالناموں کی طباعت اپنے ذمہ لے کر اردو کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

علیم صبا نویدی کو خطوط نویسی کا بھی ذوق کامل ہے۔ ان کی زندگی کا ایک معتد بہ وقت خط نویسی میں صرف ہوتا ہے۔ لوگوں کو حیرت ہے کہ وہ لوگوں سے یوں نامہ و نیاز کیوں کر حاصل کر سکتے ہیں۔ عوام تو در کنار خواص کو بھی ایک آدھ خط لکھنا ہی بار خاطر گذرتا ہے۔ لیکن علیم صبا نویدی کے ہاں 4 صندوق مشاہیر کے خط و کتابت کے دفتر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ تمام کام ان کے شوق کامل کی دلیل ہیں۔ ڈاکٹر نجم الہدیٰ نے بالکل درست لکھا ہے:

> ''جب دوسرے لوگ شام کے وقت تفریح میں گزارتے ہیں علیم لکھنے پڑھنے میں رہتے ہیں۔''

محبت اور خلوص کی یہ حد ہے کہ انہوں نے جن کو خط لکھا انہوں نے اس کا جواب دیا اور جس سے کچھ فرمائش کی انہوں نے ان کی فرمائش پوری کردی۔ اس سے ان کی طبیعت اور مزاج کی حوصلہ مندی ظاہر ہوتی ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بیجانہ ہوگا ڈاکٹر محمد علی اثر نے ''بنام علیم صبا نویدی'' کے نام ۱۹۹۶ء میں بیرون ہند مصنفین اور مرحوم اہل قلم کے مکاتیب مرتب کر کے شائع کیے ہیں۔

علیم صبا نویدی کی اکلوتی صاحب زادی ڈاکٹر جاویدہ حبیب نے علمی وادبی ذوق اپنے والد سے ورثے میں پایا ہے۔ جاوید النساء نے نہ صرف اردو ادب میں ایم اے کا امتحان بدرجہ امتیاز کامیاب کیا اور پھر شمالی آرکاٹ کے چند ممتاز شعراء کے موضوع پر مقالہ تحریر کر کے ایم فل کی ڈگری حاصل کی بلکہ اپنے والد کے علمی وادبی مشاغل میں ان کی معاون اور مددگار بھی رہی ہیں۔ ڈاکٹر جاویدہ حبیب کے شوہر محمد حبیب اللہ صاحب (بی۔ کام) آجکل (U.S.A) میں جنرل مینیجر کی حیثیت سے ایک فرم میں ملازم ہیں۔

علیم صبا نویدی کی ادبی زندگی کا آغاز ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے ہوا اور انہوں نے اردو دنیا کو افسانوں کے دو مجموعے ''شگاف در شگاف'' (۱۹۸۰ء) اور ''اجلی مسکراہٹ'' (۱۹۹۲ء) دیے اس کے بعد وہ شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے اس میدان میں انہوں نے اپنی تخلیقی اور فنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے برصغیر ہند و پاک کے قدآور نقادوں سے داد تحسین حاصل کی۔

علیم صبا نویدی کے اب تک کے درج ذیل شعری مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔

۱۔ طرح نو	۱۹۷۴ء	(غزلیں)	۲۔ لمسِ اول	۱۹۷۸ء	(ٹیپ بند نظمیں)
۳۔ ردِ کفر	۱۹۷۹ء	(آزاد غزلیں)	۴۔ فکر بر	۱۹۸۱ء	(غزلیں)
۵۔ نقش گیر	۱۹۸۴ء	(غزلیں)	۶۔ بھارت جوتی	۱۹۸۵ء	(قومی نظمیں)
۷۔ ترائیلے	۱۹۸۶ء	(ہائیکو)	۸۔ شعاعِ شرق	۱۹۸۷ء	(ہائیکو)
۹۔ مراۃ النور	۱۹۸۸ء	(نعتیں)	۱۰۔ تشدید	۱۹۸۹ء	(ہائیکو)

۱۱۔ن　۱۹۹۰ء　(نعتیں)　۱۲۔نور السمٰوات ۱۹۹۰ء　(نعتیہ سانیٹ)

۱۳۔ اثر خامہ　۱۹۹۱ء　(غزلیں)　۱۴۔سمت ساز　۱۹۹۳ء　(نظمیں)

۱۵۔ خوش بو کے داغ ۱۹۹۳ء　(نظمیں)　۱۶۔ خاک زاد　۲۰۰۸ء　(نظمیں)

علیم صبا نویدی نے اپنی ادبی سرگرمیوں کو محض افسانہ نگاری اور شاعری تک محدود نہیں رکھا بلکہ خدمت اردو ادب کے جذبے کے تحت، تحقیق و تدوین اور نقد و انتقاد جیسے صبر آزما اور دشوار گزار موضوعات پر بھی توجہ دی ہے اور اس میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ ذیل میں ان کی تحقیقی، تدوینی اور تنقیدی تصانیف کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ جنوب کا شعروادب	۱۹۹۳ء	(تحقیق وتنقید)
۲۔ باقر آگاہ ویلوری کے ادبی نوادر	۱۹۹۵ء	(تحقیق وتدوین)
۳۔ نواب والا جاہ اور بحر العلوم	۱۹۹۵ء	(تحقیق)
۴۔ ٹامل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء	۱۹۹۶ء	(تحقیق)
۵۔ ٹامل ناڈو میں اردو	۱۹۹۷ء	(تحقیق وتنقید)
۶۔ متاع شعروادب	۱۹۹۸ء	(تحقیق)
۷۔ ٹامل ناڈو کے مشاہیر ادب	۱۹۹۹ء	(تحقیق)
۸۔ غزل زار	۲۰۰۲ء	(آزاد غزلوں کا انتخاب)
۹۔ سفر لا سفر	۲۰۰۵ء	(مختصر ترین افسانوں کا انتخاب)
۱۰۔ نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے	۲۰۰۶ء	(تحقیق وتنقید)
۱۱۔ اردو شاعری میں نئے تجربے	۲۰۰۲ء	(تحقیق وتنقید)
۱۲۔ افق زاد	۲۰۰۲ء	(ہائیکو نظمیں)
۱۳۔ ٹمل ناڈو میں اُردو رباعی	۲۰۰۳ء	
۱۴۔ ٹمل ناڈو میں نعت گوئی	۲۰۰۴ء	

۱۵۔ اسم تاب	۲۰۰۵ء	(اُردو سانیٹ کا انتخاب)
۱۶۔ نقوش بلند فکر	۲۰۰۵ء	(تحقیق و تنقید)
۱۷۔ چہر چہرہ روشن	۲۰۰۶ء	(تحقیق و تنقید)

سجاد بخاری اور ساغر جیدی نے علیم صبا نویدی کے کلام کے بالترتیب ''پیسیم وی رالگل'' (۱۹۹۲ء) اور ''پری ملا وچی کلو'' (۱۹۹۴ء) کے نام سے ٹمل اور تلگو زبان میں منظوم ترجمے بھی کیے ہیں۔ مختلف کتابوں کے مرتب کی حیثیت سے بھی علیم صبا نویدی نے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی مرتبہ کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ قید شکن	۱۹۸۲ء	(آزاد غزلوں کا انتخاب)
۲۔ آزاد غزل شناخت کی حدود میں	۱۹۸۳ء	(آزاد غزل پر مضامین)
۳۔ ثبوت	۱۹۹۰ء	(ساغر جیدی کے دوہے)
۴۔ آب زر	۱۹۹۴ء	(اکرام کاوش کی نظمیں)
۵۔ الماس رُبا	۱۹۹۵ء	(ساغر جیدی کی رباعیات کا انتخاب)

علیم صبا نویدی کی ادبی خدمات اور ان کی فکر و فن کے مختلف پہلوؤں پر مشاہیر ادب نے جو کتابیں مرتب کی ہیں وہ ایک علاحدہ باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ذیل میں صرف مطبوعہ تصانیف کی فہرست دی جاتی ہے۔

۱۔ لہجہ تراش	۱۹۸۴ء	مرتبہ مولانا کاظم نائطی
۲۔ آسمان فن کا سفیر	۱۹۸۵ء	مرتبہ پروفیسر نجم الہدیٰ مدراس یونیورسٹی
۳۔ نقش بند	۱۹۸۸ء	مرتبہ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید ایس وی یونیورسٹی
۴۔ روشن لکیر	۱۹۹۱ء	مرتبہ ڈاکٹر اختر بستوی گورکھپور یونیورسٹی
۵۔ نقش قلم	۱۹۹۲ء	مرتبہ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید
۶۔ اُجلی مسکراہٹ	۱۹۹۲ء	مرتبہ پروفیسر سید صفی اللہ

۷۔　خامہ درخامہ　۱۹۹۴ء　مرتبہ　ڈاکٹر محمد علی اثرؔ عثمانیہ یونیورسٹی

۸۔　عکس درعکس　۱۹۹۴ء　مرتبہ　مولوی یعقوب اسلم عمری

۹۔　علیم شناسی　۲۰۰۷ء　مرتبہ　ڈاکٹر انور مینائی، محمد توفیق خان

۱۰۔　بنام علیم صبا نویدی　۱۹۹۵ء　مرتبہ　ڈاکٹر محمد علی اثرؔ عثمانیہ یونیورسٹی
(مشاہیر ادب کے خطوط)

مذکورہ بالا کتابوں کے مرتبین کے علاوہ متعدد نقادوں اور محققوں نے علیم صبا نویدی کی شاعری اور نثر نگاری کے مختلف پہلوؤں پر خامہ فرسائی کی ہے۔ چناں چہ جناب یعقوب اسلم نے اپنی مرتبہ کتاب ''عکس درعکس'' میں علیم صبا کی فکروفن پر اظہار خیال کرنے والے ۱۰۸ مشاہیر ادب کے نام گنوائے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ علیم صبا نویدی کی مختلف شعری اور نثری تصانیف کو ہندوستان کی مختلف اردو اکیڈیمیوں نے انعامات اور اعزازات سے نوازا ہے۔ اتر پردیش اُردو اکیڈیمی نے انہیں بالترتیب ۱۹۷۵ء، ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۶ء میں، بہار اردو اکیڈیمی نے ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۷ء میں اور مغربی بنگال اردو اکیڈیمی نے ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۸ء میں ادبی انعام اور سند توصیف سے نوازا۔ اس کے علاوہ غالب اکیڈیمی بنگلور، غالب اکیڈیمی دہلی (۲۰۰۶ء) اور آل انڈیا میر اکیڈیمی نے بھی ''امتیاز میر'' اور ''نوائے میر'' ایوارڈ ادبی خدمات کے اعتراف میں عطا کیا ہے۔ اور حال ہی میں ٹمل ناڈو اکاڈمی نے ڈاکٹر عبدالحق ایوارڈ (۲۰۰۶ء) اور آل انڈیا حمد ونعت اکاڈمی دہلی نے علامہ شبلی ایوارڈ (۲۰۰۶ء) سے نوازا۔

اب جب کہ یہ کتاب کمپوزنگ کے بعد پریس جارہی تھی کہ ڈاکٹر راہیؔ فدائی نے فون پر یہ اندوہ ناک اطلاع دی کہ ۲۹؍ مارچ ۲۰۰۸ء کو علیم صاحب کی اہلیہ سعید النساء نے داعی اجل کو لبیک کہا (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔

علیم صبا نویدی کی نعت گوئی

ارض ہند میں یوں تو بے شمار شعراء نے حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں نعتوں کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ ان نعتوں میں ان کے جذبات' احساسات' عقیدتیں اور محبتیں پنہاں ہیں۔ ہندوستان کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ یہاں کے غیر مسلم شعراء نے بھی حضور رسالتمآبؐ میں اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ سرزمین دکن تو وہ مایہ ناز خطہ ارض ہے جس میں قدم قدم پر ایسے شعراء مل جاتے ہیں جنہوں نے نعتیہ شاعری کو اپنا مطمح فکر بنایا۔ چنانچہ ان شعراء کی فہرست خاصی طویل ہے جنہوں نے صرف نعتیہ شاعری میں فکر سخن کی۔ ہندوستان کے باکمال نعت گو شعراء پر نظر ڈالی جائے تو ایک نام ہمیں سب سے منفرد و ممتاز نظر آتا ہے۔ اور وہ نام جناب علیم صبا نویدی کا ہے۔

علیم صبا نویدی نے نعتیہ شاعری میں اپنا جو انفرادی مقام بنایا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کی نعتوں میں فخر موجودات' سرور کائنات' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت' محبت' جوش و ولولہ'

تمنائے قرب کے علاوہ ان کے ہاں فکر وفن کے مختلف النوع گوشے بھی ملتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے جہاں نظم وغزل کے روایتی پیرائے میں نعت شریف کہی ہے وہیں سانیٹ اور ہائیکو جیسی جدید اصناف سخن میں بھی بڑی خوبصورت نعتیں لکھی ہیں۔ اب تک علیم صبا نویدی کی شاعری کے پندرہ مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔ اور کم وبیش ہر مجموعہ کا آغاز حمد ونعت سے ہوتا ہے ان مجموعہ ہائے کلام میں سے درج ذیل نعتیہ شاعری پر مشتمل ہیں

(۱)''مراۃ النور''(۲)''نور السموات'' (۳)''ن''

علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کے فنی امتیازات اور فطری گوشوں پر روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نعتیہ مجموعوں کا سرسری تعارف کروایا جائے۔

مراۃ النور: یہ علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کا اولین مجموعہ ہے۔ جو کراؤن سائز کے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں اصل کتاب کے ساتھ ڈاکٹر نجم الہدیٰ اور ڈاکٹر سید حامد حسین کی تقریظات بھی شامل ہیں جو عام روش کے برخلاف کتاب کے آخری میں ''عکس اول''(صفحہ ۷۱ تا ۸۱) اور ''عکس دوم''(صفحہ ۸۲ تا ۸۷) کے عنوین کے تحت درج کی گئیں ہیں۔ ان کے علاوہ ''عکس آخر''(صفحہ ۸۸ تا ۹۰) کے عنوان سے خود مصنف نے اپنی شاعری کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے (صفحہ ۹۰ تا ۹۳) تک تین حمدیں درج کی گئیں ہیں۔ جن میں سے ابتدائی دو غزل کی ہئیت میں ہیں اور آخری آزاد نظم کی شکل میں۔ آخری تین صفحوں (۹۴ تا ۹۶) پر ان کی تین کتابوں ''آسمان فن کا سفیر''۔ ''لہجہ تراش'' اور نقش بند'' کی تفصیل مندرج ہے۔

پیش نظر کتاب علیم صبا نویدی کی ستاون نعتوں کا احاطہ کرتی ہے۔ ایک نعت جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

ذکر شہ مدینہ میری ذات کا سفر اک آئینہ صفت سے ملاقات کا سفر

سہو دو مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ پہلی مرتبہ صفحہ ۶۴ پر اور دوسری بار صفحہ ۶۷ پر۔ ہر صفحہ پر ایک نعت کا اہتمام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن کہیں کہیں طویل نعتوں کی صورت میں چند

اشعار دوسرے صفحے پر بھی رقم کیے گئے ہیں۔ آخر میں دو سلام تحریر کیے گئے ہیں۔

''مراۃ النور'' کو علیم صبا نویدی نے اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ قدسی شاہ مولانا اسمٰعیل رفیعی کے نام معنون کیا ہے۔ اس مجموعے کی انفرادیت یہ ہے کہ مصنف نے اس کی ابتداء درود وسلام کے نذرانے سے کی ہے۔ کامل ایک صفحہ پر خط جلی میں تسمیہ اور درود شریف رقم ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ٥

نور السمٰوات: پیش نظر کتاب علیم صبا نویدی کا وہ شہکار ہے جسے بلا خوف تردید اردو میں نعتیہ سانیٹ کا نقش اول کہا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل اردو زبان میں نعتیہ سانیٹ پر مبنی کوئی مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا۔ ڈیمائی سائز کے ۸۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جنوری ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ناشر خود علیم صبا نویدی ہیں اس میں سانیٹ کی ہیئت میں کل ۴۷ نعتیں اور ایک سلام شامل ہے۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل شعر بہ شکل انتساب رقم کیا گیا ہے ۔

محمدؐ نہ ہوتے تو ہوتے نہ ہم نہ اظہار ہوتا نہ نقش قلم

علیم صبا نویدی کی دیگر تصانیف کے برعکس ''نور السمٰوات'' میں نقاد کا مضمون یا رائے شامل نہیں ہے۔ البتہ کتاب کی پشت پر ڈاکٹر گیان چند جین کے تاثرات تحریر ہیں۔

''ن'': یہ کتاب علیم صبا نویدی کا تیسرا مجموعۂ نعت ہے۔ جسے پروفیسر محبوب پاشا مدراسی نے اپریل ۱۹۹۰ء میں مرتب کر کے کتب خانہ عزیزیہ دہلی کے زیر اہتمام شائع کیا ''ن'' میں علامہ ماجد الباقری، جناب صبا اکرام، ڈاکٹر راہی فدائی، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر علیم اللہ حالی، ڈاکٹر محمد ولی الحق انصاری، حکیم سید افسر پاشا، ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید، جناب میر محمود حسین اور پروفیسر عتیق احمد صدیقی کے تاثرات بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب ڈیمائی سائز کے ۸۸ صفحات پر محیط ہے۔ اس مجموعہ میں غزل کی ہیئت میں ایک حمد، ۵۱ نعتیں اور دو سلام شامل ہیں۔ ۳۲ نعتیں پانچ یا پانچ سے زیادہ اشعار پر پھیلی ہوئی ہیں۔ سات نعتیں چار اشعار پر محیط ہیں اور بارہ نعتیں تین تین اشعار پر مشتمل ہیں۔ انتساب کے صفحہ پر یہ حدیث شریف مندرج ہے۔

اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ

صفحہ ۴ پر درج ذیل اشعار رقم کئے گئے ہیں۔

مبارک باشد وباشد مبارک بحق ن ولیٰسین وتبارک

طٰہٰ ون آپ ہیں یٰسین آپ ہیں خلاق کی کتاب مصوّر رسول پاکؐ

زیرِ نظر مجموعہ کلام کے عنوان (ن) کے بارے میں ڈاکٹر راہی فدائی نے لکھا ہے کہ

''جناب علیم صبا نویدی کا پیش نظر مجموعہ (ن) ہے جو دراصل قرآن شریف کے دو حروف مقطعات میں سے ایک ہے جس کی صحیح مراد بقول جمہور مفسرین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ مگر بعض صوفیا کے نزدیک یہ حرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نورانی کی علامت ہے۔ گویا ''ن'' لفظ نور کا مقفف ہے اس حیثیت سے ''ن'' نعتیہ مجموعہ کے لیے بہت ہی خوبصورت اور موزوں نام ہے'' (۱)۔

اس کتاب کے مرتب پروفیسر محبوب پاشاہ نے ''عرض مرتب'' کے عنوان سے علیم صبا نویدی کے خاندان، ان کی ادبی شخصیت اور نعتیہ شاعری کے بارے میں دو صفحوں میں اظہار خیال کیا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ اطلاع نہیں دی کہ اس مجموعے میں علیم صبا کے دیگر مجموعہ ہائے کلام سے منتخبہ نعتیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ راقمہ نے جب اس سلسلہ میں چھان بین کی تو پتہ چلا کہ اس میں ۱۹ نعتیں نئی ہیں اور ۳۲ نعتیں ''مراۃ النور'' اور دیگر مجموعہ ہائے غزل سے منتخب کر کے قند مکرر کے طور پر شامل کی گئیں ہیں۔ جن کے پہلے مصرع ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اسرار دو جہاں کا مقدر رسول پاک ''ن'' ص ۱۱۔ ''مراۃ النور'' ص ۲۸۔

۲۔ شہنشاہ کون ومکاں ہر طرف ''ن'' ص ۱۲۔ ''مراۃ النور'' ص ۳۷۔

۳۔ نگہہ مصطفیٰ سے روشن ہم ''ن'' ص ۱۲۔ ''مراۃ النور'' ص ۵۔

۴۔ بہ فیض شاہ مدینہ ہوا سفر روشن "ن" ص ۱۸۔ "نقش گیر" ص ۱۷۔
۵۔ بارش نور میرے گھر پہ ہوئی ہے کتنی "ن" ص ۱۹۔ "مراۃ النور" ص ۶۱۔
۶۔ نصیب صبح بہاراں کا رنگ و بوتم ہو "ن" ص ۲۱۔ "مراۃ النور" ص ۲۳۔
۷۔ دیدہ و دل میں منور ہیں نبیؐ "ن" ص ۲۲۔ "مراۃ النور" ص ۲۷۔
۸۔ سایہ افگن چارسو ہے روئے نبیؐ "ن" ص ۲۳۔ "مراۃ النور" ص ۳۲۔
۹۔ جب محمد کا نظارہ ہوگیا "ن" ص ۲۴۔ "مراۃ النور" ص ۳۳۔
۱۰۔ ان کے ہاتھوں کئی صدیوں کے مقدر جاگے "ن" ص ۲۵۔ "مراۃ النور" ص ۳۰۔
"نقش گیر" ص ۱۶
۱۱۔ کیسا اٹوٹ آپ سے رشتہ ہے چاہ کا "ن" ص ۲۶۔ "مراۃ النور" ص ۴۳۔
۱۲۔ اگرچہ آئینہ اک روبرو ہے "ن" ص ۲۷۔ "مراۃ النور" ص ۴۵۔
۱۳۔ آئینہ دار رحمت دنیا "ن" ص ۲۸۔ "مراۃ النور" ص ۵۶۔
۱۴۔ منزل قلب و نظر کا وہ منور چہرہ "ن" ص ۳۵۔ "مراۃ النور" ص ۵۷۔
۱۵۔ ہر راستہ ہے آپ کا' منزل ہے آپ کی "ن" ص ۳۶۔ "مراۃ النور" ص ۴۹۔
۱۶۔ آنکھوں میں جب سے جلوۂ خیر الانامؐ ہے "ن" ص ۳۷۔ "مراۃ النور" ص ۶۵۔
۱۷۔ سانسوں سے دعاؤں کا سفر کرنے لگا ہوں "ن" ص ۴۶۔ "مراۃ النور" ص ۲۲۔
۱۸۔ مرے گھر شاہ زمن کا نور ہے "ن" ص ۴۷۔ "مراۃ النور" ص ۲۶۔
۱۹۔ فضا یثرب کی نورانی ہے دیکھو "ن" ص ۴۸۔ "مراۃ النور" ص ۲۰۔
۲۰۔ نور احمد چھپا ہے سینے میں "ن" ص ۵۱۔ "مراۃ النور" ص ۸۔
۲۱۔ سردار کائنات مرے گھر بھی آئیے "ن" ص ۵۱۔ "مراۃ النور" ص ۲۵۔
۲۲۔ ساتوں عالم ہیں شہنشاہ عرب کا صدقہ "ن" ص ۵۲۔ "مراۃ النور" ص ۲۹۔

۲۳۔ سرکار کائنات سے دنیا میں نور ہے "ن" ص۵۲۔ "مراۃ النور" ص۲۶۔
۲۴۔ آپ کے پاس رہے ہم تو مقدر مہکا "ن" ص۵۳۔ "مراۃ النور" ص۱۳۔
۲۵۔ دوجہانوں کے نور آپ ہوئے "ن" ص۵۳۔ "مراۃ النور" ص۱۲۔
۲۶۔ نور احمد جلوہ افگن ہے یہاں "ن" ص۵۴۔ "مراۃ النور" ص۱۶۔
۲۷۔ کتنے روشن ضمیر نکلے ہم "ن" ص۵۴۔ "مراۃ النور" ص۱۵۔
۲۸۔ حسن احمد کی تجلی ہے نگاہوں میں ابھی "ن" ص۵۵۔ "مراۃ النور" ص۲۲۔
۲۹۔ میں جو سرشار بے خودی میں ہوں "ن" ص۵۵۔ "مراۃ النور" ص۱۲۔
۳۰۔ جب بھی ذکر رسول ہوتا ہے "ن" ص۵۶۔ "مراۃ النور" ص۷۔
۳۱۔ روشن ضمیر آپ سا کوئی نہیں ہے آج "ن" ص۵۶۔ "مراۃ النور" ص۳۲۔
۳۲۔ محمد مصطفیٰ آئے نوید زندگی آئی "ن" ص۱۳۔ "مراۃ النور" ص۵۸۔

(الف) فنی امتیازات

علیم صبا نویدی نے مدحت رسول کے لیے مختلف ہیئتوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ انہوں نے جہاں غزل، آزاد غزل، نظم اور سلام کی شکلوں کو اپنایا ہے وہیں سانیٹ اور ہائیکو کی ہیئت میں بھی داد سخن دی ہے۔ لیکن ان کی نعتیہ شاعری زیادہ تر صنف غزل کی مرہون منت ہے۔ غزل کی ہیئت میں ان کی نعتیہ شاعری کے دو مجموعے "مراۃ النور" اور "ن" منظر عام پر آئے ہیں۔

غزل: اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف سخن ہے۔ رشید احمد صدیقی نے غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا ہے۔ ہیئت کے لحاظ سے غزل کی چار اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں۔ مطلع۔ قافیہ۔ ردیف اور مقطع۔ غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کا اہتمام کیا جاتا ہے مطلع کہلاتا ہے۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

اس شعر کے پہلے مصرعے میں ''راز'' اور دوسرے مصرعے میں ''ساز'' قافیہ ہے اور ''کا'' ردیف ہے۔غزل غیر مردف بھی ہوسکتی ہے۔بقول شمیم احمد:

''غزل کا ہر شعر اپنی جگہ اور اپنے آپ میں ایک مکمل وحدت اور بہ لحاظ خیال وموضوع مکمل ہوتا ہے۔یعنی غزل کے مختلف اشعار متحد المعانی اور تسلسل خیال کے حامی نہیں ہوتے۔ان میں سے کوئی شعر شاعر کی کسی داخلی واردات یا کیفیت کا عکاس ہوتا ہے تو کوئی حسن یا حسن محبوب کی تصویر اتار سکتا ہے۔کوئی شعر دنیا کی بے ثباتی کو پیش کرسکتا ہے تو' کوئی فلسفہ اور اخلاق کے کسی نکتہ کا مظہر ہوسکتا ہے۔ کسی شعر میں سیاسی صورت حال کا نقشہ پیش کیا جاسکتا ہے تو کسی میں زمانے کی زبوں حالی اور ستم شعاریوں کو بے نقاب کیا جاسکتا ہے۔کوئی شعر مناظر فطرت کا مرقع بن سکتا ہے تو کوئی انسانوں کی سیرت وشخصیت اور کردار کے کسی پہلو کو نمایاں کرسکتا ہے۔گویا پوری غزل' معانی' خیال اور موضوع کے لحاظ سے بے مثل تنوع کی حامل ہوسکتی ہے''(۲)۔

غزل گو شاعروں نے اس صنف سخن کی اسی رنگارنگی اور تنوع سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اس صنف سخن کی ایک اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ دو ہی مصرعوں میں ایک مکمل اور بھرپور خیال پیش کیا جاسکتا ہے۔ایجاز واختصار سے کام لیتے ہوئے غزل گو شعراء کم سے کم الفاظ میں اشاروں کنایوں تشبیہوں اور استعاروں میں بڑی سے بڑی بات کہہ جاتے ہیں۔

علامہ ماجد الباقری کہتے ہیں کہ

''قاعدہ ہے کہ جو جتنی اچھی غزل کہے گا وہ نعت بھی اتنی ہی اچھی کہہ سکتا ہے۔یعنی ضروری نہیں کہ اچھا نعت گو شاعر اچھی غزل کہہ سکے۔لیکن اچھا غزل گو اچھی نعت کہہ سکتا ہے''(۳)۔

اردو شاعری کے دکنی دور سے عہد حاضر تک متعدد شاعروں نے صنف غزل میں اپنی شعری صلاحیتوں کا بے پناہ مظاہرہ کیا۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ نہ صرف اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہے بلکہ وہ پہلا نعت گو بھی ہے جس نے غزل کی ہیئت میں سب سے پہلے طبع آزمائی کی۔ محمد قلی سے علیم صبا نویدی تک بے شمار شاعروں نے صنف غزل میں نعتیں کہی ہیں۔ عہد حاضر کے نعت گو شاعروں میں شاید ہی کوئی شاعر ایسا ملے گا جس نے مدحت رسول کے لیے غزل کی ہیئت کو نہ اپنایا ہو۔

علیم صبا نویدی عصر جدید کے ایک ممتاز غزل گو شاعر ہیں جنہوں نے دیگر اصناف شعر کے ساتھ ساتھ غزل کی ساخت میں بھی نعتیں کہی ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل بھی کہا گیا ہے غزل کی ہیئت میں ان کی نعتوں کے دو مجموعے منظر عام پر آئے وہ اس امر سے خوب واقف ہیں۔ کہ غزل کے اشعار میں دل کا معاملہ جس انداز میں کھل کر سامنے آتا ہے اس قدر سلاست روانی اور موثر انداز میں دوسری اصناف میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یوں بھی دل کے معاملے غزل کی زبان میں زیادہ کھلتے ہیں۔ علیم صبا نویدی نے غزل کے فارم میں نعتیں کہہ کر گویا ان تمام شعراء کا اتباع کیا ہے۔ جن میں سے سعدی سے لے کر امجد حیدر آبادی تک کے نام پیش کیے جاسکتے ہیں۔ صبا اکرام نے علیم صبا نویدی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے غزل کے فارم کی افادیت یوں بیان کی ہے۔

> ”چونکہ نعتیں کہنے کا رواج زیادہ تر غزل کے فارم میں ہے۔ لہٰذا کچھ نعت کہنے والے شعراء نے رسول اللہ کو اپنی نعتوں میں غزل کے محبوب کے طور پر بھی پیش کیا ہے۔ اور اب بھی اس طرح پیش کر رہے ہیں۔ مگر علیم صبا نویدی کو یہ معلوم ہے ؏
>
> با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار
>
> اسی لیے وہ محبوب حقیقی کے عشق میں دیوانہ ہو کر ”آپ“ کی حد سے نکل کر ”تم“ اور پھر ”تم“ کی فصیل عبور کر کے ”تو“ کی حدوں میں داخل

ہو جانے کو جائز سمجھتا ہے۔مگر عشق رسولؐ میں وہ اس قدر دیوانگی کا قائل
نہیں جو جوش کا دامن ہاتھ سے چھڑا دے اور پھر توحید خالص کی نفی اور
رسول اللہ کی توہین کے ارتکاب کا اہتمام پیدا ہو جائے''(۷)۔

علیم صبا نویدی کے شاعری کے مطالعے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ انہوں نے ہماری کلاسیکی شاعری کا انہماک اور توجہ سے مطالعہ کیا ہے۔شاعری کی متعدد ہیئتوں میں نعت شریف کہنے کے باوجود غزل کی صنف پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہے۔ان کی پُر گوئی اور قادر الکلامی کا یہ حال ہے کہ ایک ہی نشست میں بلا تکلف کئی نعتیں لکھ دیتے ہیں۔متعدد نقادوں نے ان کی طبع رواں' قدرت بیان اور روایات کے احترام کا تذکرہ کیا ہے۔

ڈاکٹر علیم اللہ حالی لکھتے ہیں:

''علیم صبا نویدی کی طبع رواں پتھر کو بھی پانی کر دیتی ہے وہ مشکل زمینوں اور دشوار قوافی وردیف نیز جدید تر ترکیبوں اور فقروں کو بھی اس طرح رام کر لیتے ہیں کہ ان سے اپنا مافی الضمیر بظاہر بڑی آسانی سے ادا کر دیتے ہیں۔ ان کی اس قدرت کا اظہار ان کی نعتیہ شاعری میں کچھ زیادہ ہی نمایاں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جذبے کی بے ساختگی اور محویت الفاظ و بیان کے وسیلے سے بغاوت کر کے از خود سرحد اظہار میں آنے کے لیے بے تاب رہتی ہے''(۸)۔

سلیمان اطہر جاوید لکھتے ہیں:

''علیم صبا نویدی' جدید شعری رجحانات سے متاثر ہیں۔مغربی اور جدید اصناف سخن سے ان کی دلچسپی کے باعث ممکن ہے کہ یہ تاثر قائم ہوتا ہو کہ وہ روایات کا استرداد کرتے ہیں۔لیکن حقیقت ایسی نہیں ہے قطع نظر اس کے انہوں نے موضوع اور ہیئت ہر دو اعتبارات سے نعت شریف جیسی صنف

سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ان کے یہاں ماضی کے ہمارے ادبی ورثے
کی پاس داری بہت زیادہ ملتی ہے۔روایات کا احترام اور کلاسیکی اقدار کا
پرچار جیسا کہ علیم کے ہاں ملتا ہے ان کے بہت کم ہم عصر اس دولت بیدار
کے حامل ہیں''(۹)۔

ڈاکٹر سید حامد حسین رقمطراز ہیں:

''علیم صبا نویدی جدید دور کے شاعر ہیں اور انہوں نے فکری ذہنیتی تجربات
کو قبول بھی کیا ہے اور برتا بھی ہے لیکن اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ
اپنی توانائی' سیلاب کے ساتھ بہہ کر نہیں حاصل کرتے۔اس کا منبع خود ان کا
ذوق شاعری ہے۔ بلکہ مجھے تو ایسا لگا کہ آزاد غزل' نثری نظم' ہائیکو اور
دوسرے طرح طرح کے تجربے کرنے والا یہ شاعر روایات کی مستحکم چٹان پر
اپنے قدم جمائے ہوئے ہے۔اور تجربہ اسے ٹوٹ کر سیلاب کے ساتھ بہہ
نکلنے پر آمادہ نہیں کرتا بلکہ شجر کے ساتھ پیوست رہ کر امید بہار رکھنے کے
جذبے کو اپنے تخلیقی عمل کا بنیادی اصول سمجھنے پر مائل کرتا ہے''(۱۰)۔

غزلیہ شاعری کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ شعراء نے اس صنف شعر میں تشبیہ و
استعارہ' اشارہ و کنایہ' رمزوایماء اور ایجاز واختصار سے بھرپور استفادہ کیا ہے علیم صبا نویدی نے
بھی اپنے نعتیہ کلام میں صنف غزل کی ان خصوصیات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔اور دو مصرعوں
میں ایک داستان نظم کردی ہے۔

اسرار دو جہاں کا مقدر رسول پاک — رعنائی حیات کا مظہر رسول پاک
نبوت کا سورج ہوا جب طلوع — شب کفر کی دھجیاں ہر طرف
جب محمد کا نظارہ ہوگیا — آسماں والا ہمارا ہوگیا

غزل کی ہیئت میں انہوں نے بعض مضامین اس قدر اختصار اور جامعیت کے ساتھ

بیان کئے ہیں کہ انہیں موضوعات کو سانیٹ کے فارم میں پھیلا کر پیش کرنے کے باوجود وہ بات پیدا نہ ہو سکی۔ صرف دو اشعار ملاحظہ ہوں ؎

سمندر غیر سنجیدہ تھا موجیں جاہلانہ تھیں ہر ایک شئے کی طبیعت میں سکون و دلکشی آئی

یہی خیال سانیٹ کی ہیئت میں کچھ اس طرح پیش کیا ہے ؎

زندگانی دھوپ کے صحرا کا سفر کرتی رہی
ہر نفس درد کا زہر یلا سماں دور تلک
جاتی تہذیب کا خاموش دھواں دور تلک
رہزنی، قتل، تباہی نے سکوں چھین لیا
وقت کی ڈستی سیاہی نے سکوں چھین لیا

آنکھ روتی رہی روتی رہی آنسو کے بغیر
پھول کھلتے رہے کھلتے رہے خوشبو کے بغیر

زیست بے نور فضاؤں میں بسر ہوتی رہی
کس نے بدلا ہے نصیبوں کا لکھا یاد کرو

زیست کو زیست کا رنگ کس نے دیا کون تھا وہ
رحمت ارض و سما کون بنا یاد کرو

جس کے آتے ہی تباہی کا سفر ختم ہوا
کفر و باطل کا خطرناک اثر ختم ہوا(۱۱)

ہر ایک چہرے میں پوشیدہ گناہوں کا مقدر تھا
سیاہی جسم کی ڈوبی تو ہر سو چاندنی آئی

ہر طرف بے رنگ رشتوں کا ہجوم
قتل گاہوں میں لہو کی بارشیں
ظلمتوں میں سانس لیتی سازشیں
چارسو وحشت کی پھیلی راگنی
زندگی کے سر پہ میلی چاندنی
تیرگی کی سخت حسرت کا عزن
خاک تھی پہنے ہوئے دکھ کا کفن
غم زدہ تھا منظر ماہ و نجوم

. . .

آخرش نور زماں پیدا ہوئے
رشتے ناتوں میں تجلی آگئی
دامن دل میں تسلی آگئی
سرورکون ومکاں پیدا ہوئے

. . . .

زندگی روشن معطر ہوگئی
نیک لمحوں کا مقدر ہوگئی

بعض نعتوں میں علیم صبا نویدی نے چھوٹی اور مترنم بحروں کا استعمال کر کے نغمگی اور موسیقیت کا جادو جگانے کی کوشش کی ہے۔

جب بھی ذکر رسول ہوتا ہے حق کی شان نزول ہوتا ہے

جذبہ عشق محمدؐ کا اجالا دل میں دوجہانوں کا سکون نور کا ہالا دل میں
دیدہ و دل میں منور ہیں نبی آئینہ دار مقدر ہیں نبی
شہنشاہ کون ومکاں ہر طرف منور زمیں آسماں ہر طرف

چھوٹی بحروں میں علیم صبانویدی کی تراشی ہوئی ترکیبیں ان کے ذہن وفکر کی خلاقیت کی دلیل ہیں۔

مصطفائی نکہتوں سے ہر فضا رحمتوں کی راج دھانی ہوگئی
چارسونور درود مصطفیٰ پھیلا یوں محفل سہانی ہوگئی
نصیب صبح بہاراں کارنگ وبوتم ہو صبائے گلشن ہستی کی جستجو تم ہو
ان کے ہاتھوں کئی صدیوں کے مقدر جاگے نکہت ونور میں ڈوبے ہوئے منظر جاگے
خشک بادل کو میسر کب ہوا مصطفائی نوری برگد کا طواف
جذبہ عشق محمد کا اجالا دل میں دونوں عالم کا سکوں نور کا ہالادل میں
آرزو نکلی ہے کرنے کو صبا رحمتوں کی پاک سرحد کا طواف
چومنے پاؤں شاہ طیبہ کے چاندنی کا جلوس اترا ہے
درود مصطفیٰ کا نور پھیلا فضا میں لطف رحمانی ہے دیکھو
جلوس نور اترا ہے زمیں پر یہ کس کی مہربانی چار سو ہے

مذکورہ بالا اشعار میں ان ترکیبوں اور فقروں سے شعر کا حسن دوبالا ہوگیا ہے۔ مصطفائی نکہتیں۔ نصیب صبح بہاراں۔ صبائے گلشن ہستی۔ نکہت ونور میں ڈوبے ہوئے منظر۔ جلوس نور۔ رحمتوں کی پاک سرحد۔ مصطفائی نوری برگد۔ جذبہ عشق احمد کا اجالا۔ چاندنی کا جلوس۔ درود مصطفیٰ کا نور۔

نعتیہ غزلوں میں علیم صبانویدی حسب موقع ہندی کے سبک اور رواں الفاظ کا استعمال بھی کرتے ہیں۔

چار سو وحشت کی پھیلی راگنی	رحمتوں کی راجدھانی ہوگئی
من مندر میں روشن آپ	میرا نکھ میں درپن آپ
فکروفن کا پیکر میں	اور اس کے ہیں جوبن آپ
بھاگ نس نس کا نور آور ہے	دفن قتل وظلم کی گھاتیں ہوئیں

علیم صبا نویدی کے نعتیہ کلام میں بعض مضامین، فقروں اور ترکیبوں کی تکرار کھٹکتی ہے ۔

بہ فیض ذکر شہنشاہ دین زہے قسمت	دل و دماغ معطر ہوئے زباں روشن
بہ فیض شاہ مدینہ ہوا سفر روشن	دل ودماغ معطر ہوئے نظر روشن
چار سو نور درود مصطفیٰ	پھیلا یوں محفل سہانی ہوگئی
درود مصطفیٰ کا نور پھیلا	فضا میں لطف رحمانی ہے دیکھو
جلوس نور اترا ہے زمیں پر	یہ کس کی مہربانی چارسو ہے
چومنے پاؤں شہ طیبہ کے	چاندنی کا جلوس اترا ہے
ہیں کہاں کس سمت بتلاؤں میں کیا	میرے باہر میرے اندر ہیں نبیؐ
سانسوں کے ذکر کا ذرا جو ہر بھی دیکھئے	باہر رسول پاک ہیں اندر رسول پاک

ڈاکٹر راہی فدائی نے بھی خیالات کی تکرار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بقول ان کے:

''اس کو قند مکرر کے طور پر قبول کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا'' (۱۲)۔

سانیٹ (SONNET) اردو شاعری نے اظہار کے لیے مختلف پیرائے اختیار کیے ہیں۔ جنہیں صنف شاعری کا نام دیا گیا ہے چنانچہ غزل، قطعہ، رباعی، مثنوی، مُسمّط، مخمس، ترکیب بند، ترجیع بند وغیرہ مشہور اصناف سخن ہیں۔ لیکن شعراء نے صرف مشرقی ہیئتوں اور پیرایہ اظہار پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ طبع آزمائی کے لیے مغربی ملکوں میں رائج نظم کو مختلف ہیئتوں کو بھی اختیار کیا۔ جیسے آزاد نظم ہائیکو۔ ترائیلے ۔ سانیٹ وغیرہ سانٹ ایک طویل نظم کا نام ہے۔ جو مغرب سے ہندوستان میں در آئی ہے۔ اصطلاح شاعری میں سانیٹ اس چودہ مصرعوں والی نظم کو

کہتے ہیں۔ جس میں ایک طرف ایک مخصوص بحر اور مخصوص لب ولہجہ کی پابندی کی جاتی ہے تو دوسری طرف ایک خاص خیال یا جذبے کی عکاسی بھی کی جاتی ہے۔

سانیٹ کا لفظ دراصل اطالوی لفظ ثانیتو ((Sonetto) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی مختصر آواز یا راگ کے ہیں۔ کوٹکر کوچ نے ''سانیتو'' کا ماخذ لفظ "Sonare" بتایا ہے۔ جس کے معنی ساز بجانے کے ہیں (۸)۔ وہ لکھتا ہے کہ

To play uopn an instrument. (۹)

آکسفورڈ ڈکشنری میں سانیٹ کی اس طرح تعریف کی گئی ہے:

"A piece of verse (properly expressive of one main idea) Consisting of fourteen decasyllabic lines with times arranged according to one or other of certain definite scheme's" (۱۰)

انسائیکلو پیڈیا امریکانا میں اس صنف سخن کی غنائیت اور حسن قافیہ کی طرف خصوصی طور پر اشارہ کرتے ہوئے اس طرح تعریف کی گئی ہے:

" The sonnet generally contains one principal idea personed through the various ante theses of different strophes, and adorned with the charm of rhyme" (۱۱)

چیمبرس انسائیکلو پیڈیا میں سانیٹ میں قوافی کے اہتمام اور مصرعوں کی تعداد کا تذکرہ کرتے ہوئے قدرے وضاحت سے تشریح کی گئی ہے۔

" Sonnet a short Poetical piece generally lyrical is its nature, dealing with one idea of a grave nature, presented under various aspects. It is restricted in fourteen lines the arrangement of rhymes is peculiar indicate" (۱۲)

محولہ بالا تعریفوں کی روشنی میں سانیٹ کے بارے میں درج ذیل امور سامنے آتے ہیں۔ایک تو یہ کہ سانیٹ کے اولین نمونے اطالوی شاعری میں ملتے ہیں اور اطالوی شاعری کی تقلید میں یہ صنف انگریزی میں مروج ہوئی۔

دوسرے یہ کہ یہ نظم چودہ مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اور تمام مصرعوں میں قوانی کی ترتیب ایک مقررہ نظام کے تابع ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اس میں ایک مخصوص بحر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اور غنائیت اس کے خمیر میں داخل ہے۔

مغرب میں اگرچہ کہ اس صنف شاعری کے اوزان مقرر ہیں اور قوانی کے پیچیدہ نظام کی پابندی کی جاتی ہے لیکن اہل اردو نے اوزان کی پابندی کو ضروری خیال نہیں کیا ہے۔ بلکہ اپنے ذوق پر اس کی گرفت کو محول رکھا ہے۔البتہ قوانی کو ازبس ضروری گرداناہے۔

سانیٹ کی درج ذیل تین قسمیں مشہور ہیں:

(۱) اطالوی (Italian) یا پیٹرارکی (Petrarchan) سانیٹ اس کے قوانی درج ذیل ہیں:

(۱) اب ب ا ۔ اب ۔ ب ا ۔ ج د ج ۔ د ج د۔

(۲) اسپنسری (Spenserian) سانیٹ کی شکل یہ ہے۔

اب اب ۔ ب ج ب ج ۔ ج د ج د۔ ھ ھ۔

(۳) شیکسپیری (Shakespearian) یا انگریزی (English) سانیٹ کی ہیئت کچھ اس طرح ہے:

اب اب ۔ ج د ج د ۔ ھ و ھ و ۔ ز ز

اُردو شعراء نے تینوں ہیئتوں میں شاعری کی ہے لیکن عموی طور پر سانیٹ کے نام سے مختلف شعراء نے جو نظمیں لکھی ہیں ان کی ساخت یہ ہے:

اب اب ۔ ج د ج د۔ ھ و ھ و ۔ ز ز

ڈاکٹر گیان چند جین سانیٹ کے موضوع پر مضامین اور اردو میں اس کے آغاز کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سانیٹ کا موضوع غزل کی طرح ہے جس میں حسن و عشق کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اس کے علاوہ مذہبی' فلسفیانہ' سیاسی اور مناظر قدرت کے سانیٹ بھی ملتے ہیں۔ اردو میں سانیٹ کے قوانی کی سب سے پہلی مثال نظم طبا طبائی کی نظم "گور غریباں" ہے (مطبوعہ دلگداز سنہ ۱۸۹۷ء) اردو میں سب سے پہلے سانیٹ نگار ڈاکٹر عظیم الدین (کلیم الدین احمد کے والد) ہیں جنہوں نے ۱۹۰۳ء میں دو سانیٹ لکھے تھے۔ پہلا شائع شدہ سانیٹ قاضی اختر جونا گڈھی کا ۱۹۱۴ء کا ہے عزیز تمنائی کے سانٹوں کا مجموعہ "برگ نوخیز" ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا" (۱۸)۔

علیم صبا نویدی نے نعتیہ شاعری کے لیے جب سانیٹ کی ہیئت کو اختیار کیا تو بحمد اللہ تعالیٰ اتنے سانیٹ لکھے کہ ایک کتاب ہی بن گئی جو "نور السموات" کے نام سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ علیم صبا نویدی کے سانیٹ کا پہلا مجموعہ ہی نہیں ہے بلکہ اردو میں نعتیہ سانیٹ کا پہلا مجموعہ بھی ہے۔ یہ ان کا ایک ایسا لازوال کارنامہ ہے جس کی نظیر شاید ہی ملے۔

اردو میں یوں تو اطالوی' انگریزی اور اسپنسری تینوں ہیئتوں میں سانیٹ کے نمونے ملتے ہیں۔ لیکن بیشتر شعراء نے مروجہ ہیئتوں میں قدرے ترمیم کے ساتھ تین مربعوں' اور ایک مطلع کی شکل (اب ب ا۔ ج دد ج۔ ھ وو ھ۔ ز ز) میں طبع آزمائی کی ہے علیم صبا نے بھی زیادہ تر اسی شکل میں نعتیہ سانیٹ لکھے ہیں۔ ان کے مجموعہ نعت "نور السموات" میں جملہ ۳۶ سانیٹ ہیں جن میں سے ۱۲۷ اسی ہیئت میں ہیں نمونتاً ایک سانیٹ ملاحظہ کیجئے۔

جلوس نکلا ہے قرآنی آیتوں کا یہاں
ہر ایک ذرے پہ احمدؐ کا نور چھایا ہے

ہر ایک شئے پہ نئی رحمتوں کا سایا ہے
کہ کفر ٹوٹا ہے میلی روایتوں کا یہاں
عبادتوں کی تجلی دلوں میں جاگ گئی
نقوش مٹ گئے افکار کے زمانے سے
نصیب مہکے ہیں انوار کے خزانے سے
تباہی اوڑھے کفن ہر طرف سے بھاگ گئی

اندھیرا اپنے مقدر پہ رو پڑا ہر سو
خوشیوں کی حکومت ہوئی زوال پذیر
خزاں کا دور سراپا ہوا یہ تقدیر
کہ ساری دھرتی کا نقشہ بدل گیا ہر سو
مقام ہو سے پیمبر وجود میں آیا
دل ونگاہ کا منبع شہود میں آیا

(نورالسموات۔ ص۱۶۔۱۷)

اس ہیئت کے علاوہ علیم صبا نے اپنی اختراع پسند طبیعت سے کام لیتے ہوئے سانیٹ کی ہیئت میں تغیر اور تبدل سے بھی کام لیا ہے "نورالسموات" میں ۳۶ سانٹوں میں سے ۹ ایک مثمن ایک مربع اور ایک مطلعے کی ساخت میں کہے ہیں۔ جس کی شکل کچھ اس طرح ہے۔ (اب ج د د ج ب ا۔ ھ و و ھ۔ ز ز) مثال کے طور پر درج ذیل سانیٹ دیکھئے۔

سلسلہ در سلسلہ پھولوں کا ناچ
سبز کھیتوں پر گھٹاؤں کا ہجوم
آبشاروں کے لبوں پر مستیاں
کوہساروں پر مچلتی سرخوشی

دور تک نورانی چادر کیف کی
نکہت و نغمہ کی دلکش وادیاں
رحمت حق کی فضاؤں میں ہے دھوم
مصطفائی نور کا ہر سمت راج

شان احمد میں خدائی دیکھیے
ذرہ ذرہ تاجدار نور ہے
باغ دنیا سرخوشی میں چور ہے
رب عالم کی بڑائی دیکھیے
آئینہ در آئینہ عالم تمام
شاہد کون و مکاں خیر الانام

(نورالسموٰت ص ۶۶۔۶۷)

سانیٹ کی ہیئت میں علیم صبا نے بڑی خوبصورت نظمیں لکھی ہیں۔ ان [illegible]
سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی قصیدہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کے ابتدائی اشعار [illegible]
نے قصیدہ کی تشبیب کی طرح بعثت رسولؐ سے پہلے عہد جاہلیت کے حالات بیان کیا ہے۔
پھر اس مضمون سے گریز کرکے حضور اکرمؐ کی مدح وثنا آپ کی ولادت باسعادت اور عالم انسانی پر
آپ کے احسانات کا تذکرہ بڑے دلکش اور موثر پیرائے میں کیا ہے۔

رنج و غم کی حکومتوں کا نزول
چارسو سربلند نفرت تھی
بدنما زندگی کی صورت تھی
آدمی آدمی کا دشمن تھا

جسم ٹوٹا ہوا سادر پن تھا
نیکیاں دفن ہوگئی تھیں کہیں
زخم خوردہ سسک رہی تھی زمیں
آسماں، چاند آفتاب ملول

نوری پیکر وجود میں آیا
رنج وغم کا سفر تمام ہوا
زندگانی کا نیک نام ہوا
دینِ احمدؐ شہود میں آیا
رنگ انسانیت کا پھیل گیا
نور رحمانیت کا پھیل گیا

نورالسمٰوات میں بعض ایسی منفرد انوکھی اور تازہ بہ تازہ لفظی صناعتیں اور تراکیب نظر آتی ہیں جن سے اردو ادب آشنا نہ تھا۔ بالفاظ دیگر یہ تراکیب علیم صبا سے شروع ہو کر انہیں پر ختم ہو جاتی ہیں۔ علیم صبا نویدی کی تراشی ہوئی یہ تراکیب اظہار کے قرینوں میں انمول اضافہ ہیں۔ کسی شاعر نے نعتیہ شاعری میں اس طرح کی لفظیات اور تراکیب کے استعمال کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہوگا۔ قاری اس طرح کی تراکیب کو پڑھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چند اشعار دیکھیے۔

انگلیاں ذکر محمدؐ میں ہیں مشغول میری پیاسی آنکھوں کو ہے انوار مدینہ کی تلاش

ذکر محمدؐ میں انگلیوں کا مشغول ہونا نئی بات ہے کیوں کہ آج تک ذکر کے لیے زبان، لب یا دل کی نسبتیں بیان ہوتی تھیں۔ انگلیوں کا ذکر کرنا شاعر کے نزدیک ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں ایک عاشق رسول آنحضرتؐ کو انگلیوں پر گن گن کر یاد کرتا ہے۔

سید البشر کا یہ فیضِ رحمتی نکلا　　　آمدِ شہ مرسل کتنا برکتی نکلا

اس شعر میں لفظ رحمت سے رحمتی اور برکت سے برکتی علیم صبا نویدی کی دین ہے۔ اردو زبان وادب میں برکت اور رحمت سالم ملتے ہیں۔ یائے نسبتی کے ساتھ نہیں۔ اس شعر میں علیم صبا نویدی نے آمد کو بجائے مونث کے مذکر باندھ کر اجتہاد کا ثبوت دیا ہے۔

پاک ہوگئے رشتے ہوگئے روشن　　　دن ہوگئی ظلمت بیوہ ہوگئی الجھن

الجھن کا بیوہ ہونا ایک ایسی ترکیب ہے۔ جسے شاعری میں روانی کے ساتھ استعمال کرنے کا سہرا بھی علیم صبا نویدی کے آفاق گیر تخیل کے سر جاتا ہے۔

نیم وحشی راہوں پر' نور کی کرن پھیلی　　　زندگی نے کروٹ لی' نیک ہوگئے جیوے

نیم وحشی راہیں اور نیک لمحے علیم صبا نویدی کی تخلیقی اپج ہے ایسے نمونے جن کی اس سے قبل مثال ملنی مشکل ہے۔

احساس چاک چاک تھا' جذبہ سیاہ فام　　　قاتل بنا ہوا تھا' تمنا کا ہر قدم
دل کی سیاہیوں میں تھا ایک لشکرِ ستم　　　سونی نظر تھی' اجڑی ہوئی خواہشیں تمام

یہ مکمل بند ایک تاریخ کا مظہر ہے۔ جس میں کفر والحاد بے راہ روی اور غیر انسانی روش کے نقوش ملتے ہیں۔ علیم صبا نویدی نے انوکھی اور بے نظیر تراکیب سے اپنے قارئین کو چونکا دیا ہے۔ چنانچہ احساس کا چاک چاک ہونا جذبہ سیاہ فام' دل کی سیاہی کے بجائے دل کی سیاہیوں وغیرہ ترکیبیں' عروق اردو میں تازہ لہو کی حیثیت رکھتی ہیں علیم صبا نویدی کے سانیٹ کے مجموعے ''نور السمٰوات'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند نے لکھا ہے:

> ''اس مجموعے کی ہر نظم ایسی پختہ کار اور شعری خوبیوں سے مالا مال ہے کہ باج اعتراف طلب کرتی ہے۔ جیسا ارفع موضوع ہے شاعر نے اسے اس کے شایان شان طریقے سے نباہا ہے۔ ان کی نظموں کو پڑھ کر ہر مشکک کے آئینہ قلب سے زنگ دور ہونے لگے گا'' (۱۹)۔

نعتیہ سانیٹ نگار کی حیثیت سے عیم صبا نویدی نے اپنی بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں اور قادر الکلامی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن بعض نظموں میں قافیہ پیمائی کی دھن میں ان سے لغزشیں بھی ہوئی ہیں۔ جس کی وجہ سے شعر کا مفہوم بالکل برعکس ہوگیا ہے۔

محمد مصطفی آئے' سواری نور کی آئی بہاروں میں سراپا مستیوں کا بھاگ جاگا ہے
بلندی مسکرائی پستیوں کا بھاگ جاگا ہے دلوں کی خانہ ویرانی پہ رحمت کی گھٹا چھائی

اس بند میں ''مستیوں'' کا قافیہ ''پستیوں'' باندھا گیا ہے۔ لیکن مفہوم پر غور نہیں کیا گیا۔

جب فضائے دہر رحمانی ہوئی
ذرہ ذرہ پہ مسلط کیف تھا
تیرگی کا قتل بھی صد حیف تھا
سرحد ادراک نورانی ہوئی

اس بند میں ''کیف'' کا قافیہ ''حیف'' ہے جس کی وجہ سے مفہوم کچھ سے کچھ ہوگیا۔

ہائیکو: ہائیکو جاپان کی ایک مقبول اور مختصر ترین صنف سخن ہے۔ جسے ہائے کائے' ہاکو اور ہکو بھی کہتے ہیں (۲۰) تین مصرعوں والی اس نظم میں جملہ سترہ سلیبلس (Syllables) ہوتے ہیں۔ ان سلیبلس کو ڈاکٹر عنوان چشتی نے جز' شمس الرحمن فاروقی نے سالمے اور ڈاکٹر گیان چند جین نے صوت رکن سے موسوم کیا ہے۔ ہائیکو کے پہلے مصرع میں پانچ' دوسرے میں سات اور تیسرے میں پانچ سلیبلس ہوتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف پوئیٹری اینڈ پوئیٹکس میں ہائیکو کے بارے میں لکھا ہے۔

" This lapanees lyric formed of 17 Syllables in lines of 5,7,5 emerged in the 16th century flourshed from the 17th Century and has adherents to day " (۲۱)

جی ہیر الڈ ہیڈرسن کا کہنا ہے کہ

" Primarily it is a poem, and being a poem it is in tended to express and to evoke emotion" (۲۲)

ڈاکٹر عنوان چشتی کے قول کے مطابق جاپانی شاعری میں نہ قافیہ ہوتا ہے نہ بحر مگر آہنگ ہوتا ہے (۲۳) پروفیسر ناز قادری نے جاپانی ہائیکو کی صنفی ہیئت اور آہنگ کی وضاحت مشہور جاپانی شاعر باشو (Basho)' (۱۶۴۴ء تا ۱۶۹۴ء) کے درج ذیل ہائیکو سے کی ہے۔

شی۔زو۔کا۔سا۔ی Shi- ZU- Ka- Sa- Ya

ای۔وا۔نی۔شی۔می۔ای۔رو۔ I- Wa- ni- shi- mi- i- ru-

سی۔می۔نو۔کو۔ای Se- mi- no - ko- e

اس کا اردو ترجمہ یوں ہو سکتا ہے۔

اف یہ سناٹا
کرمک تک کی سانسوں کو
ٹیلوں نے چاٹا

پروفیسر گیان چند نے اس صنف شاعری کے اختصار اور ایمائیت کو اس کی صفت ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ہائیکو کی ایک صفت اس کی ایمائیت ہوتی ہے۔ تخیل کی کارفرمائی کے سہارے اس کے تخلیقی الفاظ ایک جہاں معنی تک لے جاتے ہیں" (۲۴)۔

ہائیکو میں زیادہ تر موسم اور مناظر فطرت کی عکاسی کی جاتی ہے۔ اور محاکاتی کیفیت اس کی اہم خصوصیت ہے (۲۵)۔

سید حامد حسین نے ہائیکو کے موضوع اور مضامین کے بارے میں لکھا ہے:

''جاپانیوں نے اس سے (ہائیکو سے) شاعری' پہلی اور ڈرامے تینوں کا کام لیا ہے (۲۵/۱)۔

ڈاکٹر ناوک حمزہ پوری نے نہایت جامع انداز میں ہائیکو کے موضوعات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''آج کل ہائیکو کا دامن بھی کشادہ ہوا ہے۔ اور اس لیے گرد و پیش کے وسیع تر موضوعات اس کے دامن میں سمٹنے لگے ہیں لیکن ہائیکو کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ عام قسم کے بیانیہ اور سپاٹ طرز اظہار کی شاعری نہیں ۔ بلکہ اعجاز و اختصار کے ساتھ ایک مخصوص قسم کی پیکر تراشی' علامت نگاری اور جدلیاتی کیفیت سے اس کا اسلوب مملو ہے اور یہی مخصوص اسوب ہائیکو کی روح ہے'' (۲۶)۔

''ڈونیلڈ کین'' کے مطابق ہائیکو نگار شعروں کے مضامین اور موضوعات کی درجہ بندی درج ذیل شتوق سے کی جاتی ہے۔

''(۱) بے خودی (۲) تنہائی (۳) تشکر و امتنان (۴) ماورائیت (۵) عدم عقلیت (۶) تضاد (۷) مزاح (۸) آزادی (۹) اخلاقی ناوابستگی (۱۰) سادگی (۱۱) مادیت (۱۲) عشق۔ (۱۳) جراءت'' (۲۷)۔

اردو میں ہائیکو نظموں کے آغاز کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر کرامت علی کرامت لکھتے ہیں:

''اردو والوں سے اس جاپانی صنف سخن کا رشتہ غالباً اس وقت قائم ہوا جب قاری سرفراز حسین اور ان کے بعد پروفیسر نورالحسن برلاس ٹوکیو یونیورسٹی میں اردو کے استاد مقرر ہوئے ۔ پروفیسر برلاس کے تعاون سے شاہد احمد دہلوی نے جنوری ۱۹۳۶ء میں'' ساقی '' (دہلی) کا جاپان نمبر شائع کیا۔ تو اردو والے اس نئی صنف سخن کی جانب متوجہ ہوئے گذشتہ نصف صدی

کے عرصے میں اردو ہائیکو کہنے والے شاعروں کی تعداد میں اچھا خاصا اضافہ
ہوگیا ہے۔ جدید شاعری کے دور میں جدید طرز کی ہائیکو نظمیں لکھی جارہی
ہیں۔ ہندوستان میں کم' پاکستان میں زیادہ لیکن غالباً اب تک اردو ادب
میں ہائیکو نظموں کا کوئی باقاعدہ مجموعہ شائع نہیں ہوا تھا۔ اس اعتبار سے علیم
صبا قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے یہ پہلا قدم اٹھایا'' (۲۸)۔

برصغیر ہند و پاک کے متعدد شاعروں نے ہائیکو کی صنف پر طبع آزمائی کی ہے لیکن علیم صبا نے اس صنف شعر پر خصوصی طور پر توجہ کی اور ہائیکو نگاری کے سلسلہ میں ان کا فن ارتقاء پذیر ہے۔ ''ترسیلے'' سے ''سمت ساز'' تک ان کا شعری سفر اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ انہوں نے اس جاپانی صنف سخن کو اپنے تخلیقی شعور میں جذب کر کے اردو شاعری کے سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ علیم صبا کی ہائیکو نگاری پر بہت کچھ لکھا گیا ہے' لکھا جا رہا ہے اور آئندہ بھی لکھا جائے گا۔ ان کی ہائیکو نظموں کے بارے میں جن اکابر ادب نے اظہار خیال کیا ہے ان میں ڈاکٹر کرامت علی کرامت' ڈاکٹر سید حامد حسین' ڈاکٹر گیان چند' ڈاکٹر ناز قادری' ڈاکٹر ناوک حمزہ پوری' ڈاکٹر اختر بستوی' شمس الرحمٰن فاروقی' ڈاکٹر مظہر شہیری' سلیم شہزاد' ڈاکٹر محمد انصار اللہ' نعیم صدیقی' ڈاکٹر طیب انصاری' تسنیم صدیقی' ڈاکٹر راہی قریشی' انور مینائی' شارق جمال' ڈاکٹر علیم اللہ حالی کے نام قابل ذکر ہیں۔ جس طرح جاپانی ہائیکو پر بدھ ازم کے گہرے اثرات ہیں اسی طرح اردو ہائیکو بھی دینی' مذہبی اور خصوصاً نعتیہ شاعری کی طرف مڑ رہا ہے اور نعتیہ ہائیکو کے باب میں علیم صبا نویدی کا نام درخشاں ستارے کی طرح جگمگاتا رہے گا۔ علیم صبا نویدی کی ہائیکو نظموں کے اب تک چار مجموعے ''ترسیلے'' ۔ ''شعاع شرق'' ۔ ''تشدید'' اور ''سمت ساز'' شائع ہو چکے ہیں اور ان تمام مجموعوں میں نعتیہ نظمیں بھی شامل ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا کہنا ہے کہ:

''اگر چہ اردو میں اصل ہائیکو یا ہاکو لکھنا ممکن نہیں ہے کیوں کہ اس کے جو
شرائط ہیں (اصل جاپانی میں) وہ اردو میں پوری نہیں ہوسکتیں۔ لیکن اس
کے باوجود علیم صبا نویدی نے بعض بہت کامیاب کوششیں کی ہیں'' (۲۹)۔

علیم صبا نویدی نے پابند ہائیکو بھی تخلیق کیے ہے ں' نثری ہائیکو نظمیں بھی کہی ہیں اور ایسے ہائیکو بھی لکھے ہیں جن میں جاپانی ہائیکو نظموں کے اصولوں کو پوری طرح پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے ذوق اختراع اور جدت تخیل کو بروے کار لاتے ہوئے اردو شاعری کے ذخیرے میں ایسی ہائیکو نظموں کا بھی اضافہ کیا ہے جنہیں تجرباتی ہائیکو کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کی پابند ہائیکو نظموں میں ایک طرف ''فاعلاتن مفاعلن فعلن'' کی بحر کی پابندی نظر آتی ہے تو دوسری طرف قافیے کا اہتمام بھی پایا جاتا ہے۔

۱۔		۲۔
ایک لمحے میں طے ہزاروں میل		صف بہ صف روشنی کے فوارے
ایک آہٹ پہ روبرو منزل		تیرگی کا وجود غوطہ زن
خشک موسم میں گنگناتی جھیل		آنکھ میں راحتوں کے نظارے

نثری ہائیکو نظموں میں علیم صبا نویدی نے تمام مصرعوں میں نہ ہی قافیے کی پابندی کی ہے اور نہ بحور و اوزان کا اہتمام کیا ہے۔

روحانی پرواز	رحمتوں کی پھلجھڑی	دور تک نورانی رہ گزر
آسمانوں سے پرے	نورانی فضائیں	مبارک سرزمیں
زمین حیرت زدہ	ششدر تماشائی	ایمانی معراج

پابند اور نثری ہائیکو کے بعد ان نعتیہ ہائیکو نظموں کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو جاپانی ہائیکو سے بہت قریب ہیں اور درج ذیل اوزان میں کہے گئے ہیں۔

فعلن فعلن فع ۵ سالے (Syllables)

فعلن فعلن فعلن فع ۷ '' ''

فعلن فعلن فع ۵ '' ''

امی لقب وہ	شاہِ مدینہ	حق کا پیمبر
خیر البشر اور شاہِ دین	دین و دنیا کے راہ بر	قلب و نظر کا ان مٹ نور
روشن نسب وہ	نوری نگینہ	سچ کا مقدر

علیم صبا نویدی کے ہائیکو نظموں کے مجموعوں میں چند مختلف البحر ہائیکو بھی ملتے ہیں نمونتاً ایک ہائیکو ملاحظہ کیجیے:

ذہن مائل پرواز
دل اپنی وسعتوں میں گم
آنکھ نور محمدی کا ظہور

گزشتہ نصف صدی کے دوران اردو میں ہائیکو کہنے والے شاعروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ جدید شعراء میں یہ صنف بیحد مقبول ہوئی۔ ہندوستان کی بہ نسبت پاکستان کے جدید شعراء نے اس صنف پر زیادہ طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن ہندوستان میں علیم صبا نویدی نے جتنی زیادہ تعداد میں ہائیکو نظمیں کہی ہیں یا اس صنف شعر میں جتنے مجموعہ ہائے کلام مرتب کیے ہیں اس کی مثال ملنی دشوار ہے۔

ڈاکٹر کرامت علی کرامت نے علیم صبا نویدی کے مجموعہ کلام ''ترسیلے'' میں شامل تمام ہائیکو منظومات کو ایک طویل نعتیہ نظم قرار دیا ہے اور واقعتاً ان میں سے بیشتر ہائیکو نعتیہ مضامین پر مبنی ہیں۔ ''ترسیلے'' کے علاوہ ان کی دیگر ہائیکو نظموں کے مجموعوں میں نعتیہ ہائیکو کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ ''ترسیلے'' میں شامل نعتیہ ہائیکو اردو میں ایک درآمد کردہ صنف میں نعت گوئی کا اولین تجربہ کہلائے جاسکتے ہیں۔ ان میں علیم صبا نویدی نے اگرچہ کہ ہائیکو کی فنی پابندیوں کو ملحوظ نہیں رکھا۔ لیکن ان کا انحراف عجز کی نہیں بلکہ ایجاد کی دلیل ہے۔ ایک زبان کی مخصوص صنف سخن کو جب دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے تو اس کے فارم میں کچھ تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان تبدیلیوں کے سبب اس صنف کی اصل شکل مسخ نہ ہونے پائے۔ علیم صبا نویدی نے ہائیکو کے فارم میں جو تصرفات کیے ہیں ان کی نوعیت اور مقصد یہ ہے کہ اس غیر ملکی صنف سخن کو اردو کے مزاج و ماحول سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ان کے نعتیہ ہائیکو سے موضوع اور اظہار کی تازگی اور جدت کی تلاش و جستجو صاف عیاں ہے جو فطری شاعر کے تخلیقی جوہر کا ایک لازمی عنصر ہے۔

ٹیپ بند نظمیں: علیم صبا نویدی نے ٹیپ بند نظموں میں بھی نعتیہ شاعری کی ہے۔
دور حاضر میں ادب، عالمی سطح پر مختلف تبدیلیوں اور نئے نئے تجربات سے گزر رہا ہے۔ ہیئت اور موضوعات کی یکسانیت سے دامن بچاتے ہوئے تخلیقی اظہار کی نئی نئی راہیں اور تازہ ترین اسلوب تلاش کئے جارہے ہیں۔ لیکن نئے پن کے اکثر تجربات کلاسیکی روایات کے سرمایے سے یکسر اعراض واحتراز کی کاوش کے غماز ہیں۔ ان تجربوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ان کی وجہ سے ادب کی قدیم روایات سے نئی تخلیق کا رشتہ ایک طرح سے کٹ کر رہ گیا۔ جو ایک سوالیہ نشان بن کر ابھر آتا ہے۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے۔ کہ اس میں شعروادب کی کلاسیکی روایات اس قدر قوی اور توانا ہیں کہ کوئی تجربہ ان سے یکسر منقطع وبے نیاز رہتے ہوئے شعری مزاج کی تشکیل وترجمانی کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ اردو میں شعروادب کی نئی جہتوں کی دریافت اور نئے امکانات کے اثبات کے لیے کلاسیکی ادب کی طرف مراجعت بھی مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی ہے۔ اردو ادب کے دامن میں متعدد فراموش کردہ کلاسیکی ہیئتیں پائی جاتی ہیں۔ جن کا نئی معنویت کے ساتھ احیا اور توسیع، نئے کلاسک کو جنم دے سکتی ہے۔ علیم صبا نویدی کے توانا وزرخیز تخلیقی ذہن نے کلاسیکی ہیئتوں میں مخفی اظہار کے تازہ ترین امکانات کو پرکھا اور برتا ہے۔ چنانچہ ان کے شعری مجموعوں ''لمسِ اول'' اور '' خوشبو کے داغ میں'' کم وبیش ساری نظمیں مربع کی ہیئت میں لکھی گئیں ہیں۔

مربع دراصل کلاسیکی صنف سخن مسمط ہی کی ایک شکل ہے جس میں منتشر اور بکھرے ہوئے خیالات کو سلسلہ وار اور ایک خاص ترتیب سے نظم کیا جاتا ہے۔ اس طرح جیسے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہو (۳۰)۔ مربع اس نظم کو کہتے ہیں جس کا پہلا بند چار ہم قافیہ مصرعوں پر مشتمل ہو اور بعد میں آنے والے تمام بندوں کے اولین تین مصرعے کسی اور قافیہ میں ہوں، لیکن ہر بند کا چوتھا مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہو۔ اگر بند کے بعد بندوں میں پہلے بند کے چوتھے مصرعے کی تکرار ہو تو وہ ترجیع بند مربع، یا ٹیپ بند مربع کہلاتا ہے۔ اور اگر بعد کے بندوں میں

چوتھے مصرعے سے مختلف لیکن ہم قافیہ مصرع لایا جائے تو وہ ترکیب بند مربع کہلاتا ہے۔ علیم صبا نویدی اپنے شعری مجموعوں ''لمس اول'' اور ''خوشبو کے داغ'' میں ''ٹیپ بند نظمیں'' کی سرخی لگائی ہے۔ لیکن ان مجموعوں میں جو نظمیں ہیں وہ ٹیپ بند نہیں بلکہ ترکیب بند مربع کے تحت آتی ہیں۔ ان نظموں کا نظام قوافی اس طرح ہے:

ااا ب / ج ج ج ب / د د د ب / ہ ہ ہ ب

ڈاکٹر وحید اختر نے ''لمس اول'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ان نظموں کی ہیئت کی وضاحت کی ہے۔ لیکن انہوں نے ترجیع بند اور ترکیب بند کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا (۳۱)۔

مُسمط اور اس کی ذیلی اصناف یعنی مثلث، مربع، مخمس اور مسدس وغیرہ کو اردو کے قدیم شعراء نے کافی کچھ برتا ہے اور ان کی روایت کو پختگی اور استحکام عطا کیا ہے۔ لیکن فی زمانہ ان ہیئتی اصناف کا چلن باقی نہیں رہا۔ اس پس منظر میں علیم صبا نویدی کا یہ کارنامہ قابل وقعت ہے کہ انہوں نے اپنے دو شعری مجموعوں کو محض اس فراموش شدہ ہیئت کی تجدید و بازیافت کے لیے مختص کیا۔

''لمس اول'' اور ''خوشبو کے داغ'' کی نظموں میں جو ترکیب بند مربع کی شکل میں لکھی گئی ہیں علیم صبا نویدی نے ان میں صرف و محض کلاسیکی ہیئت کی طرف مراجعت نہیں کی ہے بلکہ اس قدیم صنف سخن کو نئے معانی اور نئے مفاہیم سے آشنا بھی کیا ہے۔ مذکورہ بالا مجموعہ ہائے کلام میں موجود نعتوں میں طرز احساس کی جدیدیت اور فکر کی تازگی نمایاں ہے۔ مربع کے علاوہ مُسمط کی کئی اور اقسام بھی ہیں جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔ ان اقسام میں قافیوں کی نوع بہ نوع ترتیب کے بے شمار نمونے تشکیل دیئے جا سکتے ہیں۔

اس طرح اس کلاسیکی صنف سخن میں ابھی بہت سے امکانات مخفی ہیں۔ علیم صبا نویدی کے تخلیقی ذہن سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ان امکانات کو بھی بروئے کار لاتے ہوئے اس صنف کی روایت کو توسیع و تسلسل بخشیں گے۔

ڈاکٹر وحید اختر نے عزیز تمنائی' کاوش بدری اور علیم صبا نویدی کو تمل ناڈو کی سرزمین سے ابھرنے والے ان شعراء میں خصوصی طور پر اہمیت کے حامل قرار دیا گیا ہے۔جنہوں نے کلاسیکی روایت سے بھی آگہی حاصل کی ہے۔ اور اسے اپنے عہد کے تجربات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی سعی وکاوش بھی کی ہے (۳۲)۔

دور حاضر میں مشاعروں کی بہتات نے غزل کو اوج کمال پر پہنچایا ہے۔ لیکن عدم مطالعہ اور عدیم الفرصتی کے باعث بعض کلاسیکی ہیئتیں محض ماضی کے نقوش ہو کر رہ گئی ہیں۔علیم صبا نویدی نے ان بھولی بسری ہیئتوں کو گلے لگا کر انہیں عہد حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی جو مشقت برداشت کی ہے وہ ان کے ذوق کامل کی عکاس وترجمان ہے۔ یہاں نمونتاً دو نعتیہ نظمیں پیش کی جارہی ہیں۔

مقام ''لا'' سے نکلا صبح کو جب نور کا پیکر
ہوا ' پھر جوہر آئینہ ' ہر بجھتا ہوا جوہر
اجالوں کی روپہلی چھاؤں میں تھا زیست کا منظر
محبت نے بھی لی انگڑائی جلووں کا کھلا دفتر

سمجھ میں آئی پھر ذہن رسا کو غایت ہستی
نہ ظرف ہوش پھر بانٹی گئی توحید کی مستی
افق کے نور کو چھونے لگی ویراں سی بستی
پہاڑوں نے سروں سے پھینک دی تھی دھند کی چادر

مہکتے پھول بھی تھے جگمگاتے چاند تارے بھی
سلگتی ریت کے تودے' سمندر بھی کنارے بھی
پرستاران باطل بھی' کہیں افسوں کے مارے بھی
ظہور قدس کے آگے جھکایا سب نے اپنا سر

الوہی ساز پر چھیڑے گئے نغمے محبت کے
ابلنے لگ گئے ہر گام پر چشمے مسرت کے
کہ تا حد نظر چھائے ہوئے بادل تھے رحمت کے

سراپا جنت نظارہ تھا فاراں کا منظر

زمیں کی خاک نے اٹھ کر چھوا عرش معلیٰ کو
حیاتِ گل فشاں بخشی گئی ہر ایک صحرا کو
کیا حیراں جس جلوے نے ذوق چشم موسیٰ کو

حرا کے غار سے نکلا وہی خورشید ضو گستر

اس کے علاوہ نظم "صبح تخلیق" میں بھی علیم صبا نویدی نے نعت گوئی میں اپنی مشق و مزاولت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ یہ نظم نہ صرف ان کے فطری ذوق پر مبنی ہے بلکہ قادر الکلامی کی آئینہ دار بھی ہے۔

صبح تخلیق

خزاں کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی تم نے
قدم قدم پہ اگائی ہے تازگی تم نے
کہاں کہاں نہ بچھائی ہے روشنی تم نے

مٹائی دہر سے تفریق باہمی تم نے

تم آئے پھول نے خوشبو کی لو بڑھائی ہے
یہ کائنات فقط تم سے مسکرائی ہے
تمہاری جنبش لب میں گرہ کشائی ہے

دل و دماغ کو بخشی ہے آگہی تم نے

بکھر گیا تھا کہیں رنگ ہائے زلف حیات
کہ ڈس رہی تھی حسین صبح کو اندھیری رات
جلوس نالۂ غم تھا آنسوؤں کی برات

کہ ایسے دور میں بخشی ہے سرخوشی تم نے

جو لوگ حلقہ آغوش درد و غم میں پلے
سلگتی دھوپ میں پلکوں کی چھاؤں چھاؤں چلے
چراغ کتنے فروزاں ہوئے تھے شام ڈھلے

صلہ میں کچھ بھی مانگا نہیں کبھی تم نے

لہولہان بدن ہو رہا تھا پتھر سے
نہیں تھا کم کبھی طائف کا ظلم محشر سے
مگر زبان مبارک سے پھول ہی برسے

دیا ہے شہ کو بھی درس خواجگی تم نے

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، علیم صبا نویدی کی نظموں کی ہیئت اور قدرت بیان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''لمس اول ہیئت کے اعتبار سے بھی خاصے کی چیز ہے۔ بندوں میں ٹیپ کے مصرعے کے اہتمام نے ایک نیا پن پیدا کر دیا ہے۔ زبان اور اظہار خیال کی قدرت نے بعض دقیق مسائل کو بھی عام فہم بنا دیا'' (۳۳)۔

سلام: سلام اردو شاعری کی ایک مستقل اور مشہور صنف ہے۔ اس کا تعلق مراثی و مناقب اور بالخصوص نعتیہ شاعری سے ہے لفظ سلام کے لغوی معنیٰ کی صراحت کرتے ہوئے مولوی سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ رقم طراز ہیں:

''جو مرثیہ۔ رباعی۔ قطعہ۔ غزل یا قصیدہ کی طرز پر ہو اور اس کے مطلع یا

اول شعر میں لفظ مجرا۔ سلام۔ مجرائی۔ سلامی لایا جاوے تو اسے سلام یا مجرا کہتے ہیں"(۳۴)۔

بہ طور صنف سخن سلام کی تعریف کرتے ہوئے شمیم احمد لکھتے ہیں:

"یہ ایک مخصوص قسم کی نظم ہوتی ہے جو عموماً غزل کی ہیئت میں لکھی جاتی ہے۔ اس میں مرثیے کی مانند کربلا کے واقعات اور شہدائے کربلا کے فضائل حسنہ کے بیانات نظم کیے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مختلف اخلاقی مضامین بھی لائے جاتے ہیں۔ وہ نعتیہ نظمیں بھی جن میں حضور سرور کائناتؐ کی تعریف کی جاتی ہے اور جن میں لفظ سلام استعمال کیا جاتا ہے۔ سلام کہلاتی ہیں"(۳۵)۔

مندرجہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کی دو قسمیں ہیں ایک کا تعلق مرثیے سے ہے اور دوسری کا نعت سے۔ اردو شاعری میں ہر دو قبیل کے سلام کہنے کی طویل اور مستحکم روایت پائی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک علیم صبا نویدی کا تعلق ہے انہوں نے جو نعتیہ سلام کہے ہیں ان میں رسول کرم کی بارگاہ میں نہایت درجہ عقیدت واحترام کے ساتھ سلام نیاز پیش کیا ہے اور اس صنف میں بھی اپنی فنی وتخلیقی اپج اور لب ولہجے کی انفرادیت کا ثبوت دیا ہے۔ سلام کے لیے کوئی عروضی ہیئت مخصوص نہیں ہے۔ یہ شاعری کی کسی بھی ہیئت میں کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مولوی امداد اثر امام صاحب کاشف الحقائق میں سلام کی عروضی ترکیب کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"عروضی ترکیب کی رو سے غزل سلام اور سہرا شئے واحد ہیں مگر ان کے مضامین کے تقاضے ایک دوسرے سے علحدہ انداز رکھتے ہیں۔ فارسی میں سہرا.... نہیں ہے۔ .. مگر سلام ہے"(۳۶)۔

سلام نگاری ایک مشکل صنف ہے جو شاعر سے فنی مہارت کے ساتھ ساتھ آنحضرتؐ کی

ذات اقدس سے سچی عقیدت اور ذہنی وفکری وابستگی کا تقاضہ کرتی ہے۔ سلام کی فنی پیچیدگیوں کا اظہار کرتے ہوئے جمیل مظہری لکھتے ہیں کہ:

"سلام کا کوچہ پل صراط ہے جس سے بہ آسانی گزر جانا ہر شاعر کا کام نہیں" (۳۷)۔

واقعہ یہ ہے کہ سلام کی دنیا ادب واحترام اور عقیدت وفدائیت کی دنیا ہے جس میں ایک غلام اپنے عظیم المرتبت لیکن شفیق وکریم آقا کے حضور پورے عجز وانکسار کے ساتھ سلام کا ہدیہ پیش کرتا ہے۔ مجرا وبندگی اور تسلیم وتعظیم کے علاوہ شعراء نے اس صنف میں فریاد واستمداد اور استغاثہ واستعانت کے مضامین بھی باندھے ہیں۔ سلام کی روایت کا سرچشمہ خود کلام اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کو نبی اکرمؐ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنو صلو علیہ وسلمو تسلیما (۳۸)۔

(ترجمہ) اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو (۳۹)۔

اس حکم کی تعمیل میں اہل ایمان نے سلام کو تسبیحات واذکار اور اوراد واشغال میں شامل کرلیا شعراء حضرات نے بھی متعدد زبانوں میں سلام کو فنی اور تخلیقی اظہار کا موضوع بنایا ہے۔ جن میں سعدیؔ، جامیؔ، عبداللہ انصاری، امجد حیدر آبادی، مولانا احمد رضا خان، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، عشقیؔ، صوفی اکبر میرٹھی اور شائق وبندہ کے سلام کافی مشہور ہوئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان سلاموں پر متعدد شعراء نے حسب توفیق ولیاقت سلام کہنے کی سعادت حاصل کی اور حصول ثواب اور استمداد وشفاعت طلبی کے سلسلہ میں سلام کو ایک مستقل موضوع کے طور پر رواج دیا۔ بارگاہ رسالتمآبؐ میں سلام پڑھنے اور کہنے کے نئے نئے انداز واسلوب اختیار کیے گئے۔ کبھی لفظ "سلام" کو ردیف کے طور پر استعمال کیا اور کبھی ہر مصرع کے آغاز میں لایا گیا۔ مثال کے طور پر

چند مصرعے ملاحظہ کیجیے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام (احمد رضا خان)

یا نبی سلام علیک ، یا رسول سلام علیک (صوفی اکبر میرٹھی)

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی (حفیظ جالندھری)

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی (ماہر القادری)

علیم صبا نویدی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سلام کہہ کر اپنی محبت کا ثبوت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ان کے سلاموں میں حبیب کبریاؐ کی سیرت مبارکہ' آپ کی صفت وثنا' آپؐ کے اخلاق حمیدہ' صداقت امانت' سخاوت اور رحمت وغیرہ کی ستائش' آپ کے فیضان' بنی نوع انسان پر آپ کے احسانات کا تذکرہ کیا ہے۔

علیم صبا نویدی نے سلام کی روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ اسے جدید عہد کے فکری وتخلیقی تقاضوں سے بھی ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو ان کا ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ ان کے سلام عقیدت واحترام۔ اخلاص ووابستگی' فنی وفکری اپج اور عصری حسیت کا حسین اور دلآویز امتزاج پیش کرتے ہیں۔ ان کے مجموعہ ہائے نعت میں چار سلام موجود ہیں۔ جن میں مذکورہ بالا دونوں انداز کے سلام رقم کیے گئے ہیں۔ ان میں سے تین غزل کے فارم میں اور ایک سانیٹ کی ہیئت میں ہے چند شعر ملاحظہ کیجیے۔

(۱)

سلام حق کے پیمبر پہ ہے سلام مرا ۔۔۔ سرا پا نقش منور پہ ہے سلام مرا

ہر ایک دل ہوا سیراب جس سمندر سے ۔۔۔ وہ برکتوں کے سمندر پہ ہے سلام مرا

وہ آئینہ ہے سراپا وہ آئینہ حق کا ۔۔۔ وہ آبگینہ' جوہر پہ ہے سلام مرا

وہ جن کے نام سے دنیا و دیں ہوئے روشن ۔۔۔ وہ دوجہاں کے مقدر پہ ہے سلام مرا

صبا نویدی وہ خیر الامم ہیں خیر بشر ۔۔۔ وہ امتوں کے گل تر پہ ہے سلام مرا

(مراۃ النور ص ۷۰)

(۲)

اس شہنشاہ عرب' دین کے رہبر پہ سلام
سرورِ کون و مکاں' نور کے پیکر پہ سلام

ذرے ذرے میں ہیں اب جلوہ فگن آپ ہی آپ
آپ کے لطف و عنایات کے جوہر پہ سلام

ہر سو کونین میں پھیلی ہے تجلی خوشبو
آپ کے روئے منور پہ' معطر پہ سلام

جھک گئی ہیں مری سانسیں بھی نویدی باادب
شاہ مکہ پہ' مدینہ کے پیمبر پہ سلام

(مرآۃ النور ص۶۹)

(۳)

عاشق کبریا سلام علیک
سید الانبیاء سلام علیک

نور اول ہیں نور آخر آپ
شمع نور ہدیٰ سلام علیک

رہبر دین ' رہبر دنیا
احمد مجتبیٰ سلام علیک

آپ کی کل صفات نورانی
عکس ذات خدا سلام عیک

سر جھکا ہے صبا نویدی کا
یا شفیع الوریٰ سلام علیک

(''ن'' ص۵۸)

(۴)

سلام اُنؐ پہ جو کون و مکاں کا نور ہے
سلام اُنؐ پہ جو منبع ہیں زندگانی کا
سلام ان پہ جو ماخذ ہیں شادمانی کا
سلام ان پہ جو جسم و جاں کا نور ہے

سلام ان پہ جو مخزن ہیں لطف و رحمت کا
سلام ان پہ جو گوہر ہیں نیک نامی کا
سلام ان پہ جو جوہر ہیں خوش کلامی کا
سلام ان پہ جو خورشید ہیں نبوت کا

سلام ان پہ جو ایماں کی تجلی ہیں
دل و نگاہ کی، کونین کی تسلی ہیں

سلام ان پہ جو آئینہ ہیں خدائی کا
جمالِ ذاتِ مقدس کی رونمائی کا

سلام ان پہ جو محبوب رب عالم ہیں
سلام ان پہ جو بعد خدا معظم ہیں

(نور السمٰوات ص ۷۸۔۷۹)

آزاد غزل: علیم صبا نویدی نے حضور اکرمؐ کی مدحت وثنا کے لیے آزاد غزل کی ہیئت کو بھی اپنایا ہے۔ آزاد غزل کے فروغ کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے نہ صرف ''ردِکفر'' کے نام سے اپنی آزاد غزلوں کا مجموعہ مرتب کیا اور مختلف شعراء کی آزاد غزلوں کا انتخاب بھی شائع کیا بلکہ ''آزاد غزل شناخت کے حدوں میں'' کے عنوان سے اس موضوع پر مختلف مشاہیر ادب کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب بھی شائع کی۔ شمس الرحمن فاروقی کے قول کے مطابق مظہر امام نے سب سے پہلے ۱۹۴۵ء میں آزاد غزل کہی۔ آزاد نظم کی طرح اس میں بھی تمام مصرعے ارکان کی کمی وبیشی کے سبب چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن بحر ایک ہی ہوتی ہے۔

مظہر امام نے آزاد غزل کا پابند غزل سے تقابل کرتے ہوئے آزاد غزل سے متعلق درج ذیل امور بیان کیے ہیں:

> ''جہاں تک آزاد غزل کی ہیئت کا سوال ہے اس کی بنیادی شرائط صرف دو ہیں ایک مخصوص وزن اور قوافی وردیف کی خاص ترتیب۔ آزاد غزل اور پابند غزل کی ہیئت میں بنیادی فرق ایک ہی ہے۔ یعنی مصرعوں میں ارکان کی کمی بیشی۔ ورنہ واقعی سارے لوازمات قدرے مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں:
>
> ۱۔ آزاد غزل بھی ایک ہی بحر میں ہوتی ہے۔
>
> ۲۔ اس میں بھی مطلع ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے۔

۳۔ اس میں بھی مقطع ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے۔

۴۔ اس میں بھی قوافی ورد یف کی ''جھنکار'' اسی طرح پیدا ہوتی ہے جس طرح پابند غزل میں

۵۔ اس میں بھی ہر شعر علاحدہ اکائی ہوتا ہے۔ یعنی مضمون و مطلب کے اعتبار سے اپنی جگہ مکمل۔

۶۔ پابند غزل ہی کی طرح اس میں بھی اشعار کی تعداد کی کوئی قید نہیں۔

۷۔ مسلسل غزل کی طرح مسلسل آزاد غزل بھی ہو سکتی ہے۔ اگر مسلسل غزل کو نظم کا نام دیا جا سکتا ہے تو مسلسل آزاد غزل کو بھی آزاد نظم کہنے میں کوئی قباحت نہیں۔

۸۔ آزاد غزل میں بھی اسی نوعیت کے مضامین اور خیالات نظم کیے جاتے ہیں یا کیے جا سکتے ہیں۔ جس طرح کے پابند غزل میں۔ یعنی عاشقانہ' فاسقانہ' فلسفیانہ' ترقی پسندانہ وغیرہ وغیرہ (۴۰)۔

علیم صبا نویدی کی ایک نعتیہ آزاد غزل نمونتاً پیش کی جاتی ہے۔

صبح کی جستجو میں پھرے در بہ در' آپ کے آستاں کی یاد آ گئی

دل کی بے تاب دنیا سکون پا گئی

آپ نے مسکرا کر جو دیکھا کبھی

دھند چھٹنے لگی' ظلمت کفر تو بھی تو تھرا گئی

آپ آئے تو صحرا نے انگڑائی لی' ریت کے نقرئی خواب پورے ہوئے

روشنی کو لیے روشنی آ گئی

گونجی آواز حق جب اُفق در اُفق

زور باطل کا ہر ست ٹوٹا ادھر' اور ادھر ہر ضلالت بھی گھبرا گئی

ہے صبا اور کس کی تمہیں جستجو لو وہ دیکھو اُدھر سوئے خیر الامم
آرزوؤں کی منزل قریب آ گئی (۴۱)

آئندہ صفحات میں "فکری گوشے" کے عنوان سے علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کے فکری پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(ب) فکری گوشے

شاعری فلسفہ و منطق یا تصوف و اخلاق کا نام نہیں ہے لیکن زمانہ قدیم ہی سے شعراء نے اس میں اپنی استعداد و رجحان طبع کے مطابق مختلف علوم و فنون کے مسائل و مباحث کا ابلاغ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری میں ہمیں معقول و منقول کے مختلف رنگوں کی چھوٹ نظر آتی ہے۔ ان رنگوں کی وجہ سے نہ صرف شاعری کا لطف اور معیار دوبالا ہو جاتا ہے بلکہ اس کی اہمیت اور افادیت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ میراں جی شمس العشاق سے لے کر میر تقی میر تک اور میر سے لے کر میراں جی تک اُردو شاعری اپنے سفر کے دوران علوم و فنون کی مختلف وادیوں سے گزرتی رہی کبھی اس نے شرع و فقہ کا رنگ اختیار کیا تو کبھی تصوف کے پراسرار رنگوں کی عکس نمائی کی۔ حکایت حسن اور حدیث عشق تو اس کے اصل موضوعات رہے۔ لیکن حسن و عشق کی واردات کے پردے میں اس نے سیاسی شعور بھی بیدار کیا اور انقلاب کی آبیاری بھی کی۔ سماجی مسائل کا نغمہ چھیڑا تو نفسیات کے گہرے مسائل کا ادراک و اظہار بھی کیا۔ غرض کہ شاعری نے اپنی جگہ ایک مکمل فن ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف علوم و فنون سے اپنا دامن تخلیق مربوط و منسلک رکھا۔ چنانچہ اردو میں خواجہ میر درد اور اصغر کی شاعری تصوف، اقبالؔ کا کلام فلسفے۔ اکبرؔ و حالیؔ کی شاعری اخلاق، مخدومؔ و فیضؔ کی شاعری سیاست، اور ن۔م راشدؔ اور میراںؔ جی کی شاعری نفسیات کے حوالوں سے پہچانی جاتی ہے۔

ہر چند کہ شاعری میں فکر و شعور سے زیادہ وجدان والہام کا دخل ہوتا ہے لیکن بڑی شاعری وہی ہوتی ہے جس میں وجدان والہام اور فکر و شعور کا امتزاج پایا جاتا ہو۔ ہر اچھے شاعر

کے پاس کچھ بنیادی تصورات ہوتے ہیں ۔ جن کا اظہار اس کی شاعری میں تکرار وتسلسل کے ساتھ منظم اور مربوط طریقے سے ہوتا رہتا ہے ۔ ان تصورات کی ترسیل کے لیے شاعر کچھ مخصوص اصطلاحیں' الفاظ یا استعارات استعمال کرتا ہے جن کے وسیلے سے وہ اپنے تصورات ونظریات کے مختلف البعد کی وضاحت کرتا ہے اس سلسلے میں اقبال کے نظریہ خودی تصور عشق یا لالہ' شاہین اور مرد مومن کی مثال پیش کی جاسکتی ہے ۔ اسی طرح میر کے ہاں دل کا استعارہ اور غالب کے ہاں رشک کا جذبہ ایک خاص فکری تسلسل رکھتا ہے ۔ ہر بڑی شاعری میں یہی عمل ہوتا ہے کہ شاعر اپنے افکار وتصورات کو ایک مربوط فکری شکل میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ اس سے فن کی جمالیات بھی باقی رہتی ہے اور بحیثیت مجموعی فن میں فکری اضافہ بھی واقع ہوتا ہے علیم صبا نویدی نے بھی اپنی نعتیہ شاعری میں مدحت رسول کے روایتی موضوعات کے علاوہ عصری حسیت اور دور حاضر کے صاحبِ عشق مسلمان کے جذبات کی نمائندگی کی ہے ۔ اس کے علاوہ ان کی نعتیہ شاعری میں چند مخصوص عقائد وتصورات کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے ۔ جن کا ان کے شعری سفر میں بتدریج ارتقاء ہوا ہے ۔ قدیم صوفی شعراء نے نعتیہ شاعری میں تصوف وعرفان کے عنصر کا اضافہ کیا اس کے بعد اقبال اور ظفر علی خان سے نعتیہ شاعری کو ایک نئی جہت ملی ۔ اسی طرح موجودہ دور میں جدیدیت پسند شعراء نے نعتیہ شاعری کو عصری حسیت اور جدید ذہن سے وابستہ کر کے اسی میں ایک نئے پہلو کی تخلیق کی ۔ علیم صبا نویدی نے بھی اردو کی نعتیہ شاعری کو اپنے بعض نظریات و تصورات سے مالا مال کیا ہے ۔ ان کا یہ کارنامہ اردو نعت میں ایک تازہ اور خوشگوار فکری اضافہ ہے ۔ جس کی بڑی اہمیت ہے ۔ کسی فن پارے میں کسی فن کار کا اصل کارنامہ یہی ہوتا ہے کہ اس نے اپنی تخلیق سے اس فن میں کیا اضافہ کیا ۔ اس معیار سے اگر علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے بعض افکار وتصورات سے نعتیہ شاعری کو مالا مال کیا ہے ۔ ان کی شاعری کی بھرپور تفہیم اور اس سے صحیح طور پر لطف اندوز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کے اس نوع کے خاص فکری اشاروں اور نظریات وتصورات کی نشاندہی اور تفصیلی پس

منظر سے واقف ہوں۔ ذیل میں علیم صبا نویدی کے فکری گوشوں اور کلیدی تصورات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نور یزدانی: علیم صبا نویدی کی نعتیہ فکر میں ذات رسول اقدس محض ایک شخص یا شخصیت نہیں، آپ کا وجود کلیتاً نور کی تجسیم ہے۔ یہ نور مادی نور سے مماثلت نہیں رکھتا بلکہ اس نور کا سرچشمہ خود خدائے قدوس کی ذات پاک ہے۔ جب آپ کا ظہور فرش زمین پر ہوا تو یہی نور حجاب خاک میں جلوہ افروز ہوا۔ آپ کا جسم اطہر بھی اسی نور سے منور رہا۔

نظر ڈالو تو روئے مصطفیٰ پر جمال نور یزدانی ہے دیکھو

آپ کی ذات اقدس عالم خاکی میں بھی مجسم نور رہی لیکن اس نور کی تشبیہ کائنات کی کسی بھی روشنی سے نہیں دی جاسکتی۔ علیم صبا نویدی کی پرواز فکر نے رسول اکرم کی ذات کو ''نور حق کا مصحف'' ٹھہرایا۔ قرآن حکیم کلام خدا ہے جو آپ کے ذریعے عالم انسانی تک پہنچا۔ اور قرآن ہی تمام انسانوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔ یہ ہدایت خود ایک نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے علیم صبا نویدی کہتے ہیں۔

وہ نور حق کا مصحف ہیں سراپا نظر آیات قرآنی ہے دیکھو

کائنات کا نور: خدا محض کرہ ارض اور انسانوں کا ہی خالق نہیں بلکہ وہ کئی عالمین کا رب اور خالق ہے۔ وہ عالمین بھی جو انسان کی نظر کے سامنے ہیں اور وہ بھی جو انسان نگاہ سے مخفی ہیں۔ انہیں میں ارض و سما کے سات سات طبقات بھی شامل ہیں۔ خدا کی ذات ان عالمین کے ظہور سے پہلے بھی اکمل تھی۔ لیکن عالمین کی تخلیق کا واحد مقصد حضور کو عالم کون و مکاں کا مالک بنانا تھا۔

ساتوں عالم ہیں شہنشاہ عرب کا صدقہ صاحب کون و مکاں اسی لقب کا صدقہ

عالمین کی تخلیق سے پہلے رسول اکرم کا نور نور خداوندی سے جداگانہ نہیں تھا۔ خدا نے عالمین کی تخلیق آپؐ کے نور سے کی اور آپؐ ہی کے نور سے تمام عالمین منور ہوئے:

نور تھا نور میں وہ پوشیدہ/اس سے پہلے نہیں تھا کچھ بھی یہاں/کارنامہ تھا اس کا نادیدہ

چونکہ آپ ہی کے نور سے تمام عالمین کا خلق ہوا۔ اس لیے صرف آپؐ ہی ان کے اسرار ورموز سے واقف ہوئے:

نورارض وسما مہ کامل/واقفِ رازِ جوہر کونین/شاہ کون ومکاں عرب کا دل

اسرار دوجہاں کا مقدر رسول پاک دانائی حیات کا مظہر رسول پاک

آپؐ کے نور کی کارفرمائی کونین کی تخلیق تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کا وجود بھی آپ ہی کی ذات پاکؐ پر قائم ہے اور تا قیام قیامت قائم رہے گا۔

آپؐ ہی آپ اول وآخر/آپ کا فیض روز محشر تک/آپ کا نور ساتوں عالم پر

ساری کائناتیں خدا نے آپ کے طفیل خلق کیں اور اپنی تمام مخلوقات میں انسان کو سب سے افضل و برتر مخلوق ہونے کا شرف عطا کیا۔ لیکن انسان کو مادی دنیا کی چکا چوند نے الوہیت کے راستے سے گمراہ کر کے اسے نفسانی خواہشات کے دلدل میں پھنسا دیا۔ گویا انسان کی روحانی تجلی، دے کے ظلمات میں مستور ہوگئی۔ نبی اکرم کی نورانی ہدایات نے بھی انسان کو ان ظلمات سے نکال کر روحانی راستے پر گامزن کیا۔

آپؐ کے در کی تجلی سے منور ہے نبی آپؐ کے فیض سے انسان بھی انسان ہوا

آپؐ انسانیت کی ہدایت کے لیے اس دنیا میں اس وقت تشریف لاتے ہیں جب کہ ساری انسانیت جہل وظلمات میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس دور کو دور جاہلیت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ علیم صبا نویدی نے اپنے کلام میں اس عہد کی مختلف انداز میں عکاسی کی ہے۔

رنج و غم کی حکومتوں کا نزول
چار سو سربلند نفرت تھی
بد نما زندگی کی صورت تھی
آدمی آدمی کا دشمن تھا

ہر سمت قتل و ظلم ، تباہی کا سلسلہ
ہر آدمی گناہ کی میلی ڈگر پہ تھا
شیطاں سوار دل پہ ، ارادوں پہ ، سر پہ تھا

زندگی کی آنکھوں میں قاتلانہ منظر تھے
تیرگی مقدر تھی وحشتیں تھیں آنکھوں میں
آرزو لہو بن کر بہہ گئی تھی شہروں میں
چاہتوں کے رشتوں میں مجرمانہ منظر تھے

جسم و جاں کے سب رشتے ہر طرف تھے پستی میں
دامن نگاہ و دل داغ دار تھے ہر سو
آرزو کے پیراہن تار تار تھے ہر سو
زندگی کی عریانی ہر کہیں تھی مستی میں
قتل گاہوں میں لہو کی بارشیں
ظلمتوں میں سانس لیتی سازشیں
چار سو وحشت کی پھیلی راگنی
زندگی کے سر پہ میلی چاندنی

ہر نفس درد کا زہریلا سماں دور تلک
جلتی تہذیب کا خاموش دھواں دور تلک
رہزنی ، قتل ، تباہی نے سکوں چھین لیا
وقت کی ذہنی سیاہی نے سکوں چھین لیا

ظلم وجاہلیت کے تیرہ وتار ماحول میں آپؐ نے ظہور فرمایا۔ آپ کی ذات نیکیوں کا ایسا سرچشمہ تھی کہ انسانیت اپنی پستیوں سے بلند ہوکر ارفع واعلیٰ درجے پر فائز ہوگئی۔

تہذیب ملوث تھی برائی میں نویدی
انساں کو اچھائی محمدؐ سے ملی ہے

منور ہوگئی انسانیت بھی دین احمدؐ سے
چھٹی تاریکیوں کی ڈگمگاتی دھند شہروں سے

سوادِ بے حیائی بجھ گیا معصوم چہروں سے
نکل آیا زمانہ بھی برائی کی سیہ زد سے

ان کے ہاتھوں کئی صدیوں کے مقدر جاگے
نکہت ونور میں ڈوبے ہوئے منظر جاگے

قتل باطل کا ہوا' ڈھل گیا ظلمت کا غبار
امن جاگا تھا کہ احساس کے جوہر جاگے

کفر ٹوٹا ہے' اندھیروں کا سفر ختم ہوا
آپ کا فیض مبارک ہے اجالوں کا سماں

نقش قدم سے آپ کے ظلمت تباہ ہے
ہر سمت اطمینان کی آماجگاہ ہے

سمندر غیر سنجیدہ تھا' موجیں جاہلانہ تھیں
ہراک شئے کی طبیعت میں سکون ودلکشی آئی

ہراک چہرے میں پوشیدہ گناہوں کا مقدر تھا
سیاہی جسم کی ڈوبی تو ہر سو چاندنی آئی

فکر واحساس: شاعری فکر ووجدان اور جذبہ واحساس کے حسین امتزاج کا نام ہے۔ تخلیقی لمحات میں یہ عناصر باہم جذب ہوکر شاعر کے دل ودماغ میں ایک پراسرار سی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اسی تخلیقی کیفیت کو القا والہام بھی کہا جاتا ہے۔ عام شاعری کے برعکس نعتیہ کلام میں شاعر اپنی روحانی کیفیات وواردات کو لفظوں کے پیمانوں میں سمونے کی کوشش کرتا ہے۔ علیم صبا نویدی نے نعتیہ شاعری میں اپنی فکر واحساس کے سرچشموں اور اپنے روحانی سفر کے تجربوں کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے۔ حضور اکرمؐ کی ذات ان کے لیے سراسر نور ہے۔ آپ کی ذات سے جو بھی نسبت قائم کی جائے وہ فکر واحساس بلکہ پورے وجود کو منور کردیتی ہے۔ اسی سے اظہار کا ہر پہلو جگمگا اٹھتا ہے۔

خانۂ فکر صبا پر شاہِ دیں کا ہے کرم
اور دل میں موجزن ہے جوئے انوار نبیؐ

صبا نویدی کے تخلیق کے سفر کا نور
نگاہ فکر میں بہتا ہوا لہو تم ہو

ورنہ شعور وفکر سے کرنیں نہ پھوٹتیں
مرے لہو میں روشنی شامل ہے آپ کی

صرف نعتیہ فکر ہی نہیں بلکہ تمام تخلیقی صلاحیتوں اور شعری کاوشوں میں علیم صبا نویدی نے فخر موجودات حضور اکرمؐ کا فیض بتایا ہے ۔

محمدؐ کے دست مبارک کا فیض ملی انگلیوں کو زباں ہر طرف

میں ہوں صبا سفیر سخن اور ہیں میرے سیر جہات نو کا سمندر رسول پاکؐ

اس سرچشمہ نورانی کا فیض نہ ہو تو تخلیق کے سارے سرچشمے خشک ہو جائیں ۔

لہو احساس کا سویا ہوا تھا جسم کے اندر نویدی نعت احمد کا وسیلہ تازگی آئی

صرف اتنا ہی علیم صبا ایک قطرۂ ناچیز ہیں اور ذات کا عرفان بھی' آپؐ ہی کا عطا کردہ ہے ۔

میں صبا اک قطرہ ناچیز ہوں علم وعرفان کا سمندر ہیں نبیؐ

عشق رسول: سرور کائنات سے عشق ومحبت کو نعت گوئی کے لوازمات میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جو شاعر عشق محمدی میں جس قدر سرشار ہوگا اسی قدر اس کا کلام کیف اور تاثیر سے مالا مال ہوگا۔ بقول نظیر لدھیانوی:

> "نعت کی دل آویزی دلکشی اور خوبی کے لیے عشق رسول اولین شرط ہے اگر شاعر کے دل میں عشق رسول کا جذبہ پوری طرح کارفرما نہیں تو نعت روکھی پھیکی اور واجبی سی ہوگی" (۴۱)۔

علیم صبا نویدی حضور اکرمؐ کے عشق میں سرشار ہیں اور ان کی ذات اقدس سے والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ ذوق اختراع اور اجتہاد پسندی کے باوجود ان کی نعتیں کیفیت انگیز ہوتی ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ۔

قندیل آگہی کا اجالا بنا رہوں عشق محمدی کا نظارہ بنا رہوں

جب محمدؐ کا نظارہ ہوگیا آسماں والا ہمارا ہوگیا

آتش عشق محمدؐ میں صبا جلتے جلتے حق کو پیارا ہوگیا

عمر بھر کرتا رہا یاد محمد کا سفر بعد مردن مرے اعمال کا دفتر مہکا

جس دن ختم ہوگا میری زیست کا سفر نکلے گی میری سانس سے خوشبوائے مصطفیٰ

ڈاکٹر عبدالواسع' علیم صبا نویدی کی عشق رسول میں سرشاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''علیم صبا نویدی کا یہ عشق فنا فی الرسول کی حد تک ہے۔ اپنی ذات کے اندر اور باہر ہر جگہ وہ رسول پاک کے عشق کی سوزش محسوس کرتے ہیں۔ ان کا سارا وجود اس آگ میں جل کر راکھ ہوتا ہوا نظر آتا ہے ان کی فکر' ان کا خیال' ان کا جسم' ان کی روح ہر جگہ اس کی جلوہ سامانی ملتی ہے۔ اپنے تمام کارناموں کو اسی کا پرتو جانتے ہیں'' (۴۲)۔

مجھے وقت خاک مٹائے گا
میں فقیر نقش حبیبؐ ہوں
میں دیار کفن کا نصیب ہوں
مجھے کیسے کوئی بھلائے گا
میں نبی کے گھر کا چراغ ہوں
کھلا آسمانی دماغ ہوں

(نور السمٰوات ۔ ص ۔ ۷۵)

مرے فکر و فن کا ہے روشن ضمیر
مرے حوصلوں کی ہے اونچی اڑان
ہے پاکیزہ سب سے مری آن بان
میں دربار احمد کا ہوں اک فقیر
فقیری پہ اپنی مجھے ناز ہے
نرالا مرا شاہی انداز ہے

(نور السمٰوات ۔ ص ۷۷)

''مدحت رسول'' اور ''عشق احمد'' کو وہ اپنی بخشش کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نعت گوئی کا کرشمہ دیکھیے میری بخشش کی نشانی ہوگئی

یہ مدحت رسولؐ یہ ذکر شہ امم بس اے صبا نویدی یہی زادراہ ہے

عشق احمد کا عجب فیضان ہے لو صبا بھی جنتی ہونے لگا

علیم صبا کی نعتوں میں مدینہ منورہ کا لفظ بار بار آتا ہے۔ ان کا دل مدینے کی گلیوں میں پہنچنے کے لیے بے تاب ہے۔ ان کی سانسیں سبز گنبد کے طواف کی متمنی ہیں۔ ان کا جسم اگرچہ ہندوستان میں ہے لیکن آنکھیں دید گنبد خضریٰ کی آرزو میں مدینہ پہنچ گئی ہیں۔

شاہ عرب کی گلیوں میں ہے ایک فقیر بند شاہ امم سے بڑھ کر اس کا دل مہکائے کون

یا الٰہی میرے سانسوں کو بھی اب ہو میسر سبز گنبد کا طواف

آنکھوں کو دید گنبد خضریٰ کی آرزو

جسم ہندوستان کی نذ ہوا آنکھ پہنچی میری مدینے میں

علیم صبا نویدی نعت گوئی کے آداب سے پوری طرح واقف ہیں۔ رسول اللہؐ سے اظہار عشق کے سلسلے میں وہ اپنے محسوسات اور جذبات کی رو میں بہہ نہیں جاتے بلکہ احتیاط اور اعتدال کا دامن تھامے رہتے ہیں۔ ان کا انداز بیان پر کشش اور موثر ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ نعت گوئی میں وہ اپنی جدت فکر، قادر الکلامی اور عصری رجحانات کی ترجمانی کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔

نقش پائے رسولؐ آنکھوں میں میں مقامات آگہی میں ہوں

وہ تو موجود تھا ہر شئے میں ہر اک ذرہ میں آپؐ کی ذات سے اللہ کا عرفان ہوا

علیم صبا نویدی کی نعتوں میں عشق رسول کا بھر پور تخلیقی اظہار ہوا ہے۔ اس مقدس عشق میں ان کی سرمستی اور سرشاری ایک ایک شعر سے ہویدا ہے۔ وہ بڑے خوش بخت ہیں کہ انہوں نے اپنے فن کا ایک بڑا حصہ نعوتِ عالیہ کی فکر میں صرف کیا ہے۔

نور: علیم صبا نویدی ایک پرگو اور مشاق شاعر ہیں۔ قادر الکلامی اور کہنہ مشقی نے ان

کے اندر لفظوں کو برتنے کا بدرجہ اتم سلیقہ پیدا کر دیا ہے۔ وہ بخوبی واقف ہیں کہ کونسا لفظ کس حیثیت سے استعمال کیا جائے۔ ان کی نعتوں میں لفظ ''نور'' بار بار آتا ہے۔ کہیں یہ لفظ اسلام کی روشنی کے معنی دیتا ہے تو کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے لیے استعمال ہوا ہے اور دنوں معنوں میں اس لفظ کا استعمال حق بجانب قرار پاتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مشہور آیت میں نور کے لفظ کا استعمال کیا ہے۔

قَدْجَاءَ کُم مِنَ اللّٰہِ نُورٌ وَکِتٰبٌ مُبِینٌ (۵، مائدہ)

اس آیت میں کتاب کا اشارہ قرآن مجید کی طرف ہے اور نور سے صاحب کتاب صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ دوسرے الفاظ میں لفظ ''نور'' کو ذات نبوی کے لیے استعمال کرنا اللہ کی سنت ہے۔ بقول ڈاکٹر کلیم سہسرامی:

> ''(علیم صبا نویدی) کے خیال میں آنحضور جس طرف دیکھ لیتے ہیں۔ فضا میں کعبہ کی روشنی پھیل جاتی ہے اور ان کی قدم بوسی کے لیے چاندنی کا جلوس آسمان سے اتر آتا ہے۔۔۔ اس کی نظریں حضور اکرم کو تمام تر نور کے پیراہن میں دیکھتی ہیں اور جب ان کی یاد اس کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا اس کے دل میں نورانی سویرا جاگزیں ہو گیا ہے۔ شاعر پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ پوری دنیا کو جلوہ نور محمد سے روشن سمجھتا ہے اور آنحضرتؐ کے فیض قدم سے دنیا میں ایسا اجالا پھیل جاتا ہے کہ ظلمتِ کفر بکھر کر نیست و نابود ہو جاتی ہے''(۴۳)۔

ڈاکٹر سید حامد حسین کے مطابق:

> ''صبا کی نعتیہ شاعری میں ''نور'' ایک غالب اشارے کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے''(۴۴)۔

ڈاکٹر راہی فدائی نے نور کے لفظ کو علیم صبا کی شاعری کا کلیدی لفظ کہا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں" جناب علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کا کلیدی لفظ نور ہے۔ جس سے نعت میں ان کی انفرادیت روشن ہوتی ہے اور اسی کلید نورانی سے مقام صبا کے تشخص وتعین کے وقت درپیش بعض مغلق ابواب بھی کھلتے ہیں۔ گویا ان کی تمام نعتیہ شاعری کی اصل واساس وہ احادیث شریفہ ہیں۔ جن سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبداء نورانی ومنبع تجلیات الادعان ہے۔

(۱) اول ماخلق اللہ نوری ۔(۲) انا من نور اللہ و کل شئ من نوری ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کی تخلیق کی۔ میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے ہے(۵)۔

آپؐ کی ذات مبارک کی ہو کیا حمد وثنا
جسم نورانی ہے سینہ ہے سراپا قرآں

مکاں میں نور ہوا اور لامکاں روشن — ہوئے ہیں شاہ مدینہ سے دوجہاں روشن
آپ آئے کیا مبارک ہے گھڑی — دامن دل نور سے بھر پور ہے
سرکار کائنات سے دنیا میں نور ہے — ہر دل میں روشنی ہے تمنا میں نور ہے
پاؤں پھیلائے ہوئے وحشی سیاہی تھی یہاں — نور ہی نور ہوا نوری نسب کا صدقہ
سر بہ سجدہ ہوئے افلاک کے سارے منظر — تن نوری میں رسولوں کا امام آتا ہے
ان کے ہی نور نے دھارے ہیں کئی روپ یہاں — آئینہ جاگتے ہی بخت سکندر جاگے
نور اول ہے نور آخر آپؐ — شمع نور ہدیٰ سلام علیک

نور ارض وسماحبہ کا دل / واقف راز جوہر کونین / شاہ کون ومکاں عرب کا دل

...

دور تک نورانی رہ گذر / مبارک سرزمیں / ایمانی معراج

جذبۂ عشق محمدؐ کا سفر ہے نوری

راہ بر محسن اعظم کے معطر جلوے

مہربان ذات مقدس کے منور جلوے

منزل جلوہ فشاں راہ گذر ہے نوری

ظاہر باطن نورانی

دامن میں خوشبو انمول

انمٹ جوہر میٹھے بول

سانسیں دھڑکن قرآنی

نوری پیکر وجود میں آیا

رنج و غم کا سفر تمام ہوا

زندگانی کا نیک نام ہوا

دین احمد شہود میں آیا

علیم صبا نویدی کے نعتیہ کلام کے فکری تجزیئے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی شاید ہی کوئی نعت ایسی ہوگی جس میں نور کا لفظ خوبصورتی سے برتا نہ گیا ہو۔ اس لفظ کو انہوں نے کبھی شعوری طور پر اور کبھی غیر شعوری طور پر استعمال کیا ہے۔ حتیٰ کہ موصوف نے ''نور'' سے اپنے انتساب کو اس قدر واثق کیا کہ اپنے مجموعہ ہائے نعت کے عناوین ہی ''نور السموات''، ''مراۃ النور'' اور ''ن'' رکھے۔ آخر الذکر عنوان بقول ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی

''قرآن کریم کے حروف مقطعات کا ایک نگینہ ہے جس کی معنوی روشنی میں گیرائی و گہرائی ہے''(۶)۔

اور بقول ڈاکٹر راہی فدائی ''ن'' لفظ نور کا مخفف ہے''(۷)۔

فیضانِ مصطفیٰ: علیم صبا نویدی کی نعتوں میں چاہے وہ کسی بھی ہیئت میں ہوں فیضان مصطفیٰ اور فیضان رسول کے مضامین وموضوعات بار بار آتے ہیں اور یہ نعت گو شعراء کا ایک پسندیدہ موضوع ہے۔ نعت گو شاعروں میں جہاں حضور اکرم کی سیرت طیبہ اور آپ نے اخلاق حسنہ وصفات' دیانت' عدالت' امانت' سخاوت' شرافت' شجاعت' محبت وصداقت کا تذکرہ کیا ہے وہیں بنی نوع انسان پر آپ کے احسانات اور آپ کی تعلیمات کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ علیم صبا نویدی نے 'فیضان رسول آپ کی تعلیمات آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق حمیدہ کا تذکرہ یا عالم انسانی پر آپ کے احسانات اور رحمت اللعلمین بنائے جانے کا تذکرہ عہد جاہلیت کے پس منظر میں کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کا فیضان ہی تو ہے جس کے سبب انسان میں انسانیت آئی۔ حضور اکرم کا اعلیٰ کردار ہر دور کی پہچان اور ہر دور کا معیار سمجھا جائے گا ؂

ہر دور کی پہچان ہے ہر دور کا معیار — اللہ رے کردار' رسول عربی کا

آپ کے در کی تجلی سے منور ہیں نبیؐ — آپ کے فیض سے انسان بھی انسان ہوا

انسانیت کے گوہر نایاب کا ہے فیض — نقشہ بدل کے رکھ دیا تم نے گناہ کا

کفر ٹوٹا ہے اندھیروں کا سفر ختم ہوا — آپ کا فیض مبارک ہے اجالوں کا سماں

تہذیب ملوث تھی برائی میں نویدی — انسان کو اچھائی محمدؐ سے ملی ہے

ایک سورج وجود میں آیا
آدمیت کی روشنی لے کر
ایک لمحہ وجود میں آیا

وہ انسانیت کا چمکتا نصیب — دل میں ہے نقش ہائے نور مبین
بدی کا تصور مٹاتا ہوا — فیض سردار انبیاء گھر گھر
خلوص ووفا نیکیوں کا نقیب — منظر آیت سکوں آگیں

جلوہ فرما جب ہوئے شاہ ہدیٰ
صورتوں میں صورتیں پیدا ہوئیں
رحمتوں پر نیتیں شیدا ہوئیں
اور منور ہوگئے ارض و سما
جسم کو تہذیب کی خوشبو ملی
زندگانی نور افشاں ہوگئی

اندھیرا اپنے مقدر پہ روپڑا ہر سو
خموشیوں کی حکومت ہوئی زوال پذیر
خزاں کا دور سراپا ہوا یہ تقدیر
کہ ساری دھرتی کا نقشہ بدل گیا ہر سو
مقام ہو سے پیمبر وجود میں آیا
دل و نگاہ کا منبع شہود میں آیا

نیم وحشی راہوں پر نور کی کرن پھیلی
زندگی نے کروٹ لی۔ نیک ہوگئے لمحے
ہر طرف خدائی کے رونما ہوئے جلوے
بندگی ہوئی روشن دین کی لگن پھیلی
سید البشر کا یہ فیض رحمتی نکلا
آمد شہہ مرسل کتنا برکتی نکلا

تاجدار انبیا کے فیض سے
رات نورانی ہوئی ہے سر بہ سر
کیف آور ہوگئے شام و سحر
نور محبوب خدا کے فیض سے

علیم صبا نویدی اپنے شعور وفکر، شاعری اور نثر نگاری کو بھی فیضان رسول اور نبی کا صدقہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں دنیائے ادب میں ان کی شہرت اور نام وری بھی فیضان مصطفیٰ ہی کی دین ہے۔

یہ فیض شاہ امم ذہن کے دریچے کھلے
فیضان مصطفائی کی یہ شان دیکھیے
آنکھوں کی پتلیوں میں چمک ہے نئی نئی
روشن ہے مجھ فقیر کا بھی نام اور نسب
محبوب کبریا کی تجلی ہے دور تک

ورق میں جذب ہوئی سوچ کے بدن کی مہک
شاعر کہیں ہیں اور کہیں ہم ادیب ہیں
فیضان مصطفائی کی کیا شان ہے عجب
باطن کی وسعتوں میں مہک ہے نئی نئی
نوری سفر شعور سے ہے لاشعور تک

درود شریف اور تذکار نبیؐ: حضور اکرم کا تذکار مبارک اور آپ پر درود بھیجنا باعث بخشش ونجات بھی ہے اور عبادت بھی۔ حکم خداوندی ہے کہ "بے شک خداوند تعالیٰ اور اس کے (تمام) فرشتے پیغمبر پر درود وسلام بھیجتے رہتے ہیں (لہٰذا) اے مسلمانو! تم بھی پیغمبر پر درود بھیجتے (رہا کرو)(۴۸)۔ آپؐ کا تذکار مبارک اور درود شریف کی اہمیت وفضیلت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

> "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کو امت مسلمہ کی عبادات کا ایک اہم جزو بنادیا ہے۔ قرآن حکیم کے اس حکم سے جہاں مسلمانوں کی روزمرہ زندگی میں درود شریف کے اوراد وظائف کا سلسلہ شروع ہوا وہاں نعت میں بھی آنحضرتؐ پر درود وسلام بھیجنے کے مختلف انداز واسالیب کا رواج ہوا۔ اس اسلوب نعت کو اس لیے بھی اہمیت ملی کہ حکم خداوندی کے ساتھ ساتھ احادیث رسول اکرم میں بھی آپ پر درود وسلام پڑھنے کو بہت بڑی عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے"(۴۹)۔

آنکھ منور/منظر روشن/پتلیوں میں پنہاں کون ہے

اس نظم کا آخری مصرعہ "پتلیوں میں پنہاں کون ہے" گویا نظم کی جان ہے۔ اور عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری حدیں۔ کہ سوتے جاگتے نظروں کے سامنے محض پیغمبر ہی کا ہونا ظاہر کیا گیا۔ گویا اس میں ایک طرح کا درس بھی ہے کہ پتلیوں میں اگر رسول عربی نہیں تو پتلیاں بے کار ہیں۔ کیونکہ یہی چیز آنکھوں کے منور ہونے کی دلیل ہے اور اسی سے دنیا وآخرت کا ہر منظر روشن ہوسکتا ہے۔

علیم صبا نویدی کے نعتیہ کلام میں حضور اکرم سے اظہار عشق کے سلسلہ میں "درود مصطفیٰ" اور "ذکر محمدؐ" کے الفاظ بار بار آتے ہیں۔ درود مصطفیٰ ان کے نزدیک محفل کو نورانی بنانے کا ذریعہ

ہے جو کبھی ان کی سانسوں کی رہ گزر کو پر نور کر دیتا ہے اور کبھی زبان کو روشن اور دل و دماغ کو معطر کر دیتا ہے۔

کیا درود مصطفیٰ کا ہے کمال	ہر کنواں اب شربتی ہونے لگا
محو ذکر محمدی ہے نظر	دین احمد کی روشنی ہے نظر
چارسو نور درود مصطفیٰ	پھیلیوں محفل سہانی ہوگئی
ورد درود شاہ امم کا یہ سلسلہ	سانسوں کی رہ گزر کو بھی پر نور کر گیا
بہ فیض ذکر شہنشاہ دین زہے قسمت	دل و دماغ معطر ہوئے زباں روشن
عقل و دانش محو ذکر مصطفیٰ	جو ہر فن رائیگا میرے نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے سلسلے میں علیم صبا نویدی نے غزل اور سانیٹ کے فورم میں سلام بھی لکھے ہیں جن کے مطالعہ سے ایک طرف ان کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف آنحضرتؐ سے شفاعت طلبی اور اظہار عقیدت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

عاشق کبریا سلام علیک	سید انبیاء سلام علیک
اس شہنشاہ عرب دین کے رہبر پہ سلام	سرور کون ومکاں نور کے پیکر پہ سلام
سلام ان پہ جو آئینہ ہیں خدائی کا	جمال ذات مقدس کی رونمائی کا
سلام ان پہ جو محبوب رب عالم ہیں	سلام ان پہ جو بعد خدا معظم ہیں

پیر و مرشد: علیم صبا نویدی حضرت مولانا خواجہ قدسی شاہ کے مرید ہیں۔ رسول اللہ سے قربت عقیدت اور عشق کے سلسلہ میں ان کے پیر و مرشد کی ''نگہ التفات'' کو بھی دخل حاصل ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

نگہ التفات قدسی سے	میں صبا محفل نبیؐ میں ہوں
صبا نویدی کو سرکارؐ سے ملادے گی	نگاہِ مرشد کامل سے ایک لگن کی مہک

حضرت خواجہ قدسی کے حلقہ ارادت میں اپنی شمولیت کو وہ حضور اکرم کی دین قرار

دیتے ہیں۔

شاہ دین کا یہ نویدی فیض ہے رہبری کو اک ستارہ مل گیا

ہے نویدی یہ فیض۔ شاہ امم مرشدوں کی دعا سے روشن ہم

علیم صبا نویدی نے بارگاہ رسالت مآب میں اپنی محبت وعقیدت کے نذرانے روایتی انداز کے علاوہ جدید لب ولہجہ میں سمو کر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں

شہنشاہ کون ومکاں ہر طرف منور زمین آسماں ہر طرف

اٹھا سر تو سر پہ نہ تھا آسماں جھکا سر تو تھا آسمان ہر طرف

محبت کے دست مبارک کا فیض ملی انگلیوں کو زبان ہر طرف

نبوت کا سورج ہوا جب طلوع شب کفر کی دھجیاں ہر طرف

شاعر نے شب کفر کی دھجیاں کہہ کر اپنے جدید لب ولہجہ کی ترجمانی کی ہے۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جسے شاید ہی کسی شاعر نے نعتیہ کلام میں پیش کیا ہو۔ اگرچہ کہ روایت پسند شعراء نعتیہ کلام میں ایسے لب ولہجہ کو پسند نہیں کرتے لیکن علیم صبا نویدی چونکہ نئی سمتوں اور نئی جہات کے متلاشی رہتے ہیں اس لیے انہوں نے اپنے کلام میں ایسی تراکیب تراشی ہیں جو ان کی جدت طبع اور فکری اپچ کی غماز ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں غیر مانوس الفاظ اور انوکھے خیالات وافکار پیش کرکے اپنی منفرد پہچان بنائی ہے۔ بقول ڈاکٹر سید حامد حسین:

> ''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری اپنی بے پناہ وارفتگی اور گہری محویت کی بناء پر امتیاز حاصل کرتی ہے۔ وہ محض رسمیت کی پروردہ نہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے نعت کو بہت جگہ نئے دور کے انسان کی حیات کے ساتھ جوڑ کر اور جدید شاعری کی لفظیات سے فائدہ اٹھا کر پیش کیا'' (۵۰)۔

ہمیشہ انہوں نے کوئی نہ کوئی نئی راہ نکالنے کی کوشش کی۔ اوران امکانات کی جانب توجہ کی جن کی طرف کسی نے اشارہ تک نہیں کیا۔ علیم صبا کا جدت پسند تحقیقی ذہن ان کی نعتیہ شاعری

میں فکروفن کے نئے افق پر نظر آتا ہے۔

علیم صبا نویدی کی نعتوں میں جذبات خلوص اور فراوانی عشق سے مملو اشعار کی کمی نہیں تاہم ان کے موضوعات متنوع اور بوقلموں ہیں۔ عشقیہ سوز وگداز کے علاوہ وسیلہ' شفاعت' آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجہ تخلیق کائنات ہونے کا تصور اور اس کا پورے شدو کے ساتھ اظہار جو ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھوں کے مصداق' الفاظ کا پیرہن اور اظہار کا پیرایہ بدل بدل کر سامنے آتا ہے۔

واقعہ معراج: واقعہ معراج کو مختلف شعراء نے نعتیہ شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ اپنے اندر الوہیت وعبدیت' عشق ومحبت' روحانیت اور مادیت' دین اور دنیا کے مختلف مسائل سے متعلق اسرار ورموز' بصائر وغوامض' اور معارف اور حکم کی ایک ایسی دنیا سوئے ہوئے ہے جس کی دریافت' وبازیافت' ذہنی وروحانی بالیدگی اور کیف وانبساط کے لیے سرچشموں کی تخلیق کرتی ہے۔ علیم صبا نویدی نے بھی اس واقعہ کے پس منظر میں نعتیہ اشعار کی تخلیق کی ہے۔ انہوں نے عام ڈگر سے ہٹ کر اور روایتی مضامین وموضوعات سے گریز کر کے نئے طرز احساس اور نئے فکر وخیال کے ساتھ اشعار کے گل کھلائے ہیں۔

کیا مقدس ہے معراج کی رات بھی رفعت عرش پر ہیں منور نبیؐ
ایک سفر ایسا ہے قربان جس پہ ہوں لاکھوں سفر ضوفشاں ہے حسن احمد رہ گزر میں دیکھنا
سر بہ سجدہ ہوگئے ہیں ماہ وانجم کہکشاں سرور کونین کے نوری سفر میں دیکھنا

ایک ہائیکو ملاحظہ ہو جس کے پہلے مصرعے میں معراج کے واقعہ کی تمہید ہے اور ایک نورانی کیفیت سے مملو سفر کا ذکر تو' دوسرے مصرع میں سرزمین کی بابت اشارہ ہے جو اپنے اندر بے شمار برکتیں رکھتی ہے "مبارک سرزمین" کہ شاعر نے تخیل کو آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ چاہے تو اس زمین کی برکتوں کے بارے میں سوچے اور اگر چاہے تو اس سرزمین کی رحمتوں کے بارے میں غور کرے۔ یا وہ سبحان الذی اسریٰ پر غور کرے چاہے تو فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ کی فضاؤں میں

سانس لے۔ وہ چاہے تو حطیم مکہ پر غور کرے یا چاہے تو عرش معلیٰ پر غور کرے۔ یہ اعلیٰ شاعری کا ایک خاصا ہے کہ وہ قاری کے ذہن کو مقید نہیں کرتی بلکہ آزاد چھوڑ دیتی ہے۔ اس نظم کے تیسرے مصرعے یعنی اختتامی مرحلے نے تو گویا تفصیل سے آگاہ کر دیا ''ایمانی معراج'' کہنے کو تو دو لفظ ہیں لیکن ان دو لفظوں میں جس چابکدستی سے شاعر نے تاریخ کا ایک باب ذہن و دل پر روشن کر دیا ہے۔ ہائیکو ملاحظہ کیجیے:

دور تک نورانی رہ گزر / مبارک سرزمین / ایمانی معراج

سبحان اللہ ہائی کو کیا ہے نعت کا وہ خوبصورت پہلو ہے جسے شاعر نے نہایت خوبصورت تخلیق بنا دیا ہے۔ اسی مضمون کو علیم صبا نویدی نے ایک اور جگہ کچھ اس طرح ادا کیا ہے:

مہکی ہوئی رات / نادیدہ لمحات / عرش بریں نورانی

اس ہائیکو میں ''نادیدہ لمحات'' ایک عجیب وغریب اصطلاح ہے۔ شاعر نے نہایت فطانت سے ان تمام اشیاء کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ جو درحقیقت معراج سے قبل نادیدہ ہی تو تھے کیونکہ دیدار مصطفیٰ کی بدولت ان میں حقیقی بینائی در آئی۔ ایک اور ہائیکو دیکھئے جس میں معراج شریف کے سلسلے میں انسانی عقل و دانائی کے تحیر کو ظاہر کیا گیا ہے:

روحانی پرواز / آسماں سے پرے / زمین حیرت زدہ

اس نظم کا آخری مصرعہ نہ صرف خوبصورت ہے بلکہ واقعہ معراج کا مکمل اظہار ہے۔ کیونکہ واقعہ معراج کا وہ کونسا منظر ہے جس نے اہل زمین کو حیرت میں ڈالا ہے شاعر نے محض ایک لفظ ''زمین'' کہہ کر کل قطعہ ارض کے علاوہ اہل زمیں سے تخاطب اختیار کیا ہے۔ نیز اس میں یہ معنیٰ بھی پوشیدہ ہیں کہ اہل زمین نہ صرف واقعہ معراج کے ہمعصر' بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسان بھی حیرت زدہ ہونے والے ہیں۔ اس نظم میں ان سب کے تحیر کی کیفیت کو پیش کیا گیا ہے۔

حوالے و حواشی:

(۱) اکتساب نظر۔ص ۱۰۸۔
(۲) اصناف سخن اور شعری ہیئتیں ص ۶۱۔
(۳) ''ن'' ص ۶۱۔
(۴)
(۵)
(۶)
(۷) ''ن'' ص۔۲۶
(۸) علیم صبا نویدی کی تخلیقی نعت مشمولہ ''نقش قلم'' ص ۴۵۔۴۶ (
۹)''نقش قلم'' ص ۸۔
(۱۰) علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری مشمولہ ''نقش قلم'' ص ۳۲۔
(۱۱) نورالسموات'' ص۔۵۸۔۵۹
(۱۲) علیم صبا نویدی کی نعتوں میں خوشبوئے مصطفیٰ مشمولہ ''نقش قلم'' ص۔۴۱۔
(۱۳) حنیف کیفی۔ اردو شاعری میں سانیٹ۔ص۔۲۱۔
(۱۴) A.T.Quiller Covch English Sonnet's (introduction)
(۱۵) Oxford English Dictionary, VOL. IX page 424.
(۱۶) Encyclopaedia Americane(1835) Vol.XI Page 487
(۱۷) Chamber's Encyclopaedia (1868) Vol VIII Page 818
(۱۸) ادبی اصناف۔ص۔۹۸۔
(۱۹) نورالسموات کی پشت پر تاثرات۔
(۲۰) ادبی اصناف۔ڈاکٹر گیان چند ص ۹۹۔
(۲۱) Encyclopaedia ot poetry and poetics
(۲۲) An Anthology of Iapanees Literature p.19
(۲۳) اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے۔ص۔۲۳۸۔
(۲۴) ''تشدید''۔ص۔۸۳۔
(۲۵) ''تشدید''۔ص ۶۳۔

(۲۵/۱) ''شعاعِ شرق'' ص ۱۲۔
(۲۶) ''تشدید'' ص ۱۹۱
(۲۷) ''انتھولوجی آف جاپانیز لٹریچر'' ص ۔۱۹۔
(۲۸) ''روشن لکیر'' ص ۔۱۱۳۔
(۲۹) ''شعاعِ شرق'' ص ۔۱۰۰
(۳۰) ڈاکٹر شمیم احمد اصناف سخن اور شعری ہیئتیں ۔ص ۔۱۲۱۔
(۳۱) ''نقش بند'' مرتبہ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید ۔ص ۔۲۷۔
(۳۲) ''نقش بند'' ص ۔۵۷۔
(۳۳) ''علیم صبا نویدی اور لس اول'' مشمولہ ۔''نقش بند'' ص ۔۶۱
(۳۴) مولوی سید احمد دہلوی' فرہنگ آصفیہ جلد دوم ص ۱۱۷۵ ترقی اردو بیورو ایڈیشن
(۳۵) شمیم احمد'' اقسام شعر'' مشمولہ'' درس بلاغت'' دہلی ۱۹۸۹ء ص ۱۵۴۔ دہلی ۱۹۸۷ء
(۳۶) امداد اثر امام ۔'' کاشف الحقائق'' جلد دوم ۔۱۹
(۳۷) جمیل مظہری ۔ ریاض ارم ۔کلکتہ ۱۹۲۸ء ص ۔۳۔
(۳۸) قرآن کریم ۔'' سورۃ الاحزاب'' آیت ۵۶۔
(۳۹) ترجمہ ، خود از تلخیص تفہیم القرآن' دہلی' ۱۹۸۲ء
(۴۰) '' آزاد غزل شناخت کی حدود میں'' مرتبہ علیم صبا نویدی ص ۸۵۔۸۴
(۴۱) '' ردِ کفر'' ص ۔۱۹
(۴۲) '' فن شعر اور شعراء پر تنقیدیں'' از اصغر حسین نظیر لدھیانوی بحوالہ اردو میں نعت گوئی ۔ص ۔۲۱۔
(۴۳) '' نقش قلم'' مرتبہ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید ۔ص' ۸۹۔
(۴۴) '' نقش قلم'' ۔ص ۔۵۳۔
(۴۵) علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری مشمولہ نقش قلم ۔ص ۔۳۲۔
(۴۶) علیم صبا نویدی کی نعتوں میں خوشبوئے مصطفٰی مشمولہ نقش قدم ص' ۳۹۔
(۴۷) '' نقش قلم'' ۔ص' ۱۰۳۔
(۴۸) اکتساب نظر ۔ص ۱۰۸۔
(۴۹) سورہ احزاب ۵۶'
(۵۰) اردو میں نعت گوئی ۔ص ۔۷۷۔

❖ ❖ ❖

محاسبہ

علیم صبا نویدی ایک کثیر الجہات اور جامع الکمالات شخصیت کے مالک ہیں وہ بیک وقت نظم اور نثر دونوں میدانوں میں اپنے توسنِ طبع کی جولانی اور مضامین و موضوعات کی ارزانی کا مظاہر کرتے ہیں۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی ان کی اصل شناخت شاعری ہے وہ ایک جدید لب ولہجہ اور تازہ وشگفتہ اسلوب رکھنے والے پرگو، زود نویس اور ماہر فن سخنور ہیں۔ ان کی جودت طبع اور تخلیقی وجدان نے وقفے وقفے سے اظہار کی نئی نئی راہیں تلاش کی ہیں۔ ادب اور شاعری کی مختلف اصناف کے علاوہ انہوں نے صنف نعت گوئی پر خصوصیت اور عقیدت کے ساتھ توجہ کی ہے اور اس میدان میں بھی اپنی طبع گلشن آفریں اور فکر بہار ایجاد کے ذریعہ فکر وفن کے نئے نئے گلستان و بوستان مہکائے ہیں۔

علیم صبا نویدی نے نئے سلیقے اور نئے شعور کے ساتھ نعت گوئی کی ہے۔ ان کی نعتوں میں جناب سرور کونینؐ کے محامد ومکا رم۔ نعوتِ عالیہ اور شمائل وفضائل کے تذکار نئے اسلوب، نئے طرز احساس، نئی لفظیات اور

جدید تراکیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ انہوں نے نعت کے آداب وحدود کی کامل پاسداری کے ساتھ اس صنف کو جدید حسیت اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ہے۔ رسول اکرمؐ کی مدح وستائش' تعریف وتوصیف آپ کے فضائل وکمالات اور آپؐ کی ذات اقدس سے بے پناہ عشق ووابستگی کے جذبات کی ترجمانی میں علیم صبا نویدی نے زبان وبیان کے روایتی سانچوں سے انحراف اور گریز کرتے ہوئے زبان کے تخلیقی استعمال کا حسین اور موثر نمونہ پیش کیا ہے۔ ان کے ڈکشن کی توانائی اور موزونیت کو شمس الرحمٰن فاروقی جیسے نقاد نے بھی سراہا ہے۔

علیم صبا نویدی نے نعت گوئی کے لیے شاعری کی جن اصناف وہیئتوں کو وسیلہ اظہار بنایا۔ ان میں غزل' ٹیپ بند' نظم اور سلام جیسی روایتی اصناف اور اسالیب بھی شامل ہیں اور سانیٹ جیسی مغربی اور ہائیکو جیسی جاپانی اصناف بھی ان کے تخلیقی ذہن کی دسترس میں ہیں۔ صنف غزل' سانیٹ اور ہائیکو کے حوالے سے ذیل میں ان کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے ہر صنف میں ان کی مجموعی خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

غزل نعت گو شعراء کی مرغوب ومحبوب صنف رہی ہے۔ علیم صبا نویدی نے بھی پہلے پہل اسی ہیئت میں نعت گوئی شعار کی۔ غزل کے کچھ مخصوص صنفی تقاضے اور ہیئتی لوازم ہوتے ہیں جنہیں ذیل میں مختصراً سپرد قلم کیا جاتا ہے۔ غزل کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے جو اس کی داخلیت سے عبارت ہے۔ غزل ابتداء میں حسن وعشق کے معاملات کی ترجمان رہی لیکن بعد میں اس کے موضوعات میں حیات وکائنات کے سارے مسائل شامل ہوگئے۔ موضوعات کی اسی آزادی سے استفادہ کرتے ہوئے مذہبی حسیت رکھنے والے شعراء نے غزل کی ہیئت کو نعت گوئی کے لیے استعمال کیا۔

نعت میں حضور اکرمؐ سے والہانہ شیفتگی' فدایانہ وارفتگی اور آپؐ کی ذات والا گہر سے' صفات عالیہ۔ پیغام ابدی اور تعلیمات سرمدی سے عقیدت کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔

نعت کے یہ مضامین جب غزل کی ہیئت میں ڈھالے گئے تو ان کا زور واثر اور قوت

دتاثیر دوچند ہوگئی۔ دورحاضر میں غزل کی ہیئت ایک طرح سے نعتیہ شاعری کا لازمہ بن چکی ہے۔ نعتیہ غزلوں کی اپنی ایک خاص فضاء' خاص مزاج اور خاص لفظیات ہوتی ہیں۔ جن کے ذریعہ غزل کے نعتیہ اور غیر نعتیہ رنگ میں امتیاز کیا جاتا ہے۔

زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں کے ساتھ ادب میں بھی بے شمار تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وقت اور حالات کے تقاضوں کے زیر اثر ادب میں بھی مختلف تجربات کئے گئے۔ چنانچہ شاعری میں بھی نئے تغیرات واقع ہوئے۔ ترقی پسند تحریک کے زمانے میں ادب کا منصب کچھ تھا تو جدیدیت کے رجحان نے ادب اور شاعری کا منصب کچھ اور بیان کیا۔ نئی غزل روایتی غزل سے نہ صرف مسائل وموضوعات بلکہ زبان وبیان اور طرز احساس اور پیرایہ اظہار کے معاملے میں بھی الگ اور منفرد ہے۔ ۱۹۶۰ء کے آس پاس جب نئی غزل کا آفتاب طلوع ہوا تو جدیدیت کے علمبردار شعراء نے بھی غزل کی ہیئت میں نعت کہی۔ ان کی نعت نئی غزل کی نئی حسیت' نئے سلیقے اور نئے شعور کی غماز تھی۔ چنانچہ علیم صبا نویدی کی نعتیہ غزلوں کے امتیازی اوصاف جدید لب ولہجہ۔ ندرت فکر۔ اظہار کا نیاپن اور روایتی اسلوب سے انحراف ہیں۔

جیسا کہ اس سے قبل بھی کہا گیا ہے غزل کی ساخت میں علیم صبا کی نعتوں کے دو مجموعے شائع ہوئے ہیں (۱) مراۃ النور۔ (۲) ''ن''۔

مراۃ النور ان کی نعتوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ علیم صبا نویدی نے نعت گوئی میں عقیدت واحترام کو برقرار رکھتے ہوئے جدت پسندی اور عصری میلانات سے اپنا رشتہ بخوبی نبھایا ہے۔ علیم صبا نویدی جدیدیت کے پرزور حامی وعلمبردار ہیں۔ اس لیے وہ نعتوں میں بھی تازہ مضمون اور ندرت فکر سے کام لیتے ہیں۔ ان کے اس تخلیقی عمل میں آمد کی کیفیت پائی جاتی ہے آورد اور تصنع کا احساس نہیں ہوتا ان کے یہاں فکر وخیال اور فنی پیکر اور شعری لوازما' سب میں نیاپن پایا جاتا ہے۔ وہ قافیوں سے مضمون آفرینی نہیں کرتے بلکہ مضمون آفرینی کے لیے نئے نئے قافیے استعمال کرتے ہیں۔ علیم صبا نویدی پامال اور فرسودہ

جادے کے راہی نہیں ہیں۔ معروف اور مروج قوانی و ردائف اور بحور میں بھی ان کا خلاقانہ ذہن استعاروں۔ تشبیہوں اور پیکروں کے ذریعہ تازگی کا رس بھر دیتا ہے

نعتیہ شاعری کی روایت کا آغاز عربی میں ہوا۔ وہاں سے یہ صنف فارسی میں پھر اردو میں در آمد کی گئی۔ نعت کی اس طویل روایت کے پس منظر میں جب ہم علیم صبا نویدی کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نعت گوئی محض رسمیت کی پروردہ نہیں ہے۔ انہوں نے نعت کے دامن سے عہد حاضر کے انسان کی حسیات کا رشتہ نہایت کامیابی کے ساتھ جوڑا ہے اور نعتیہ مضامین کے اظہار میں جدید شاعری کے ڈکشن سے ابلاغ و ترسیل کے حسین و دلکش پیکر تراشے ہیں۔

''ن'' علیم صبا نویدی کی نعتیہ غزلوں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس میں بھی انہوں نے اپنے عہد کے پیرایہ اظہار کو نعتیہ مقصد کے لیے بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر علیم اللہ جانی لکھتے ہیں کہ:

''علیم صبا نویدی کے لہجے کی تازگی اور جدت بیان ان کی نعتیہ شاعری میں اسی آن بان کے ساتھ موجود ہے جو ان کے تخلیقی تشخص کی پہچان ہے'' (۱)۔

علیم صبا نویدی کی نعتیہ غزل میں ایک قسم کی لطافت اور اعتماد کا احساس ہوتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ موضوع سے انہیں قلبی لگاؤ ہے۔ ان کے یہاں جذبے کی بے ساختگی اور محویت' الفاظ اور بیان کے وسیلے سے بغاوت کر کے از خود سرحد اظہار میں آنے کے لیے بے تاب نظر آتی ہے۔ مستی و سرشاری بے نیاز حدود و قیود ہوتی ہے اس کی راہ میں کوئی شئے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ شوق کے اس جذبہ بے اختیار کے درمیان جو الفاظ و تراکیب آتے ہیں وہ بھی اسی رنگ اور کیفیت میں ڈوب جاتے ہیں۔

مبدائے فیاض نے علیم صبا نویدی کو نعت گوئی کا ایک خاص سلیقہ اور ملکہ عطا کیا ہے۔ ان کی نعتوں میں عرفانی اور نورانی کیفیات زریں لہروں کی طرح رواں دواں نظر آتی ہیں۔ ان کی

شاعری کی طرح ان کی نعتوں پر بھی ان کی انفرادیت کی گہری چھاپ ہے۔ نعت گوئی کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔ یہاں قدم قدم پر شعری تقاضوں کے ساتھ ساتھ مذہبی عقائد نیز توحید ورسالت۔ خدا اور رسولؐ کے مراتب کا بھی خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ذرا سی لغزش قلم سے نعت کا شعر قصیدے یا غزل کے شعر کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ علیم صبا نویدی نے بڑی محنت۔ حزم واحتیاط اور پاس آداب کے ساتھ نعت گوئی کا سفر طے کیا ہے۔ انہوں نے افراط وتفریط اور غلو سے بڑی حد تک پرہیز کیا ہے جو ان کی سلامتی فکر توازن طبع کی دلیل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ علیم صبا نویدی کی نعتیہ غزلیں نعتیہ شاعری کے پورے پس منظر میں موضوعات کے تنوع۔ اسلوب کی تازگی حب رسولؐ کی صداقت اور فنی مہارت کے اعتبار سے ایک خاص اور منفرد قدر وقیمت کی حامل ہیں۔ نعتیہ شاعری کی روحانی اور نورانی فضاؤں میں ان کے شعور و وجدان اور تخلیقی استعداد نے فکر وفن کے نئے چراغ روشن کئے ہیں۔ جن کی روشنی میں علیم صبا نویدی کا نام اپنی نمایاں انفرادیت اور شناخت کے ساتھ اہل نظر کی تحسین وستائش کا مرکز بنا ہوا ہے۔ انہوں نے غزل کی روایتی ہیئت کی پابندی کرتے ہوئے عصری حسیت کے ساتھ نعت گوئی کے گلشن میں زمزمہ سنجی کی ہے۔ ان کی آواز سب سے منفرد اور لہجہ سب سے جداگانہ ہے۔ ایک طرف تو ان کے ہاں نعت گوئی کی روایات اور تہذیبی اقدار کا رچاؤ نظر آتا ہے تو دوسری طرف انہوں نے اس میدان میں نئی جہتیں اور نئے امکانات بھی تلاش کئے ہیں جن سے نعت گوئی کی روایت میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

علیم صبا نویدی نے متعدد اصناف سخن میں کامیاب تخلیقی نمونے پیش کئے ہیں۔ ان کی تخلیقی جدت جب نعت گوئی کے میدان میں آتی ہے تو یہاں بھی اپنی انفرادیت کے گہرے ارتسامات ثبت کرتی ہے۔ انہوں نے نعت گوئی کے لیے غزل کے علاوہ سانیٹ جیسی مغربی صنف سخن کا بھی انتخاب کیا اور اس صنف میں نہ صرف نعت شریف کہی بلکہ اردو میں نعتیہ سانیٹ کا پہلا مجموعہ ''نور السمٰوات'' کے نام سے شائع کیا۔

سانیٹ مغربی ادب کی ایک مقبول صنف سخن ہے۔ یہ غنائی شاعری کی ایک خاص ہیئت کا نام جس میں چودہ مصرعے ہوتے ہیں اور قافیوں کی ترتیب اور بحر ایک مخصوص نظام کی پابند ہوتی ہے اردو میں بعض اعلیٰ پائے کے سانیٹ لکھے گئے ہیں تاہم یہ صنف اپنی مخصوص بحر کی کڑی پابندی اور نظام قوافی کے قیود کے سبب اردو کے مزاج اور عروضی نظام سے پوری طرح شیر وشکر نہیں ہوسکتی۔

علیم صبا نویدی جدید شعری رجحانات کے حامل وعلمبردار ہیں۔ مغربی اور جدید اصناف سخن سے انہیں ذہنی وفکری مناسبت اور طبعی ہم آہنگی ورغبت ہے۔ جس کی بدولت انہوں نے آزاد غزل' ہائیکو اور سانیٹ جیسے اظہار کے نئے قرینوں کو اپنایا اور اس میں فن اور تخلیق کے خوبصورت اور پر اثر نمونے پیش کیے۔ لیکن ان کی جدیدیت پسندی اور عصری حسیت کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ انہوں نے روایت سے اپنے رشتے کو پوری صحت مندی کے ساتھ برقرار واستوار رکھا ہے۔ ان کے اس معتدل اور متوازن تخلیقی رویے کا ثبوت ''نورالسمٰوات'' ہے جس میں انہوں نے ہیئت سانیٹ کی استعمال کی ہے اور موضوع نعت کا منتخب کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے سانیٹ جیسی مغربی صنف کو نعت گوئی جیسے خالص مشرقی اور مذہبی موضوع سے ہم آہنگ کردیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس قدرت ومہارت اور روانی وصفائی کے ساتھ سانیٹ لکھے ہیں کہ اس موضوع کے لیے یہ صنف نامانوس نہیں محسوس ہوتی۔ علیم صبا نویدی نے انگریزی سانیٹ کی ہیئت کی محض تقلید نہیں کی ہے بلکہ اس میں اپنے فکر واجتہاد سے تصرف وتبدل بھی کیا ہے۔ انہوں نے سانیٹ کے لیے کسی ایک بحر کی تخصیص نہیں کی بلکہ مختلف بحروں کو برتا ہے اس طرح انگریزی سانیٹ کے نظام قوافی سے انحراف کرتے ہوئے اس کے چودہ مصرعوں کو مختلف النوع ترتیبوں کے ساتھ باندھا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ صنف بڑی حد تک مشرقی مزاج سے ہم آمیز ہوگئی ہے۔ چنانچہ علیم صبا نویدی کے سانیٹ کا تجزیہ کرتے ہوئے کاوش بدری رقم طراز ہیں:

''علیم صبا نویدی نے سانیٹ کو نئی غزل کا نیا مزاج اور نیا آہنگ ہی نہیں بخشا بلکہ شروع سے آخر تک ہر سانیٹ میں ایک ایسی وجدانی کیفیت بھر دی ہے کہ قاری کے ذہن میں نہ چودہ مصرعوں کی گنتی رہتی ہے نہ سانیٹ کی مکمل صنف۔ قاری اس نئی صنف کو ایک نئی غزل یا نئی نظم کی طرح محسوس کرتا ہے''(۲)۔

جدید شعراء میں علیم صبا نویدی کا مابہ الامتیاز کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے نئے لہجے اور نئے طرز اظہار کو اختیار کرنے نیز فکری وہیئتی تجربات کو برتنے کے باوجود ماضی کے ہمارے ادبی ورثے کی مخلصانہ پاسداری کی ہے۔ روایت کا احترام اور کلاسیکی قدروں کے رچاؤ کے اعتبار سے ان کے سانیٹ میں اجنبی فضا کا احساس نہیں ہوتا۔ فنی اعتبار سے یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

''نورالسموات'' کے سانیٹ علیم صبا نویدی کی جدت پسندی خلاقانہ فکر کے روشن ثبوت ہیں۔ اس سانٹوں میں بھی ہر جگہ ان کے تخیل کی ندرت اور لہجے کی انفرادیت قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ انہوں نے ان تخلیقات میں غیر معمولی قوت بیان کا اظہار کیا ہے۔ ان کی طبع رواں پتھر کو بھی پانی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ سنگلاخ زمینوں۔ مشکل قوافی اور دشوار ردائف' جدید ترکیبوں اور تازہ بہ تازہ فقروں کی تراش میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

''نورالسموات'' میں شامل سانٹوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اعجاز علی ارشد رقم طراز ہیں۔

''اس مجموعے کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کے خیالات میں وسعت ہے اور اسے انداز بیان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ شاعر نے نعتیہ شاعری کی روایتی فضاء میں کچھ نئے گل بوٹے کھلانے کی کوشش کی ہے''(۳)۔

علیم صبا نویدی نئی ہیئت اور ترسیل کے نئے سانچوں کے شیدائی ہیں۔ انہوں نے نعت کو بھی نئے سیلقے اور نئے شعور کے ساتھ برتا ہے اور اس میں فکر واظہار کے کئی امکانات روشن کیے

ہیں۔ ان کے نعتیہ سانیٹ ندرت فکر' فنی پیکر اور لطیف ایمائی پیرائے کے دلکش مرقع ہیں۔ انہوں نے اس صنف میں نئے انداز سے سوچنے اور تجربہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اپنی اس کوشش میں بامراد بھی رہے ہیں۔ اردو سانیٹ نگاری کے تجربے کے پس منظر میں علیم صبا نویدی کے نعتیہ سانیٹ کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر محمد انصار اللہ رقم طراز ہیں:

"اردو میں ایک بیان کے مطابق سانیٹ کی عمر پچاس برس سے بھی زیادہ ہوئی لیکن عام خیال کے بموجب اردو میں پہلا سانیٹ پچھتر برس پہلے لکھا گیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اردو میں ابتداء میں سانیٹ قطعہ یا مختصر نظم کے بدل کے طور پر آیا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس میں ہر قسم کے مضامین عاشقانہ' اخلاقی' اصلاحی اور قومی وغیرہ نظم کیے جانے لگے تھے۔ کچھ شبہ نہیں کہ اب سے کوئی تیس پینتیس برس پہلے اسلامی عقائد اور مسلمانوں کے مسائل سے متعلق بھی اردو میں سانیٹ لکھے گئے تھے۔

چنانچہ بات تقریباً یقینی ہے کہ سانیٹ کی صورت میں نعتیں بھی لکھی گئی ہوں گی لیکن نعت گوئی کے لیے اس صنف کو خصوصیت کے ساتھ برتنے کا امتیاز جناب علیم صبا نویدی کے حصے میں آیا" (۴)۔

آگے وہ لکھتے ہیں:

"نعت کسی ایک ہیئت کی پابند نہیں تھی چنانچہ علیم صبا نویدی کی جدت پسندی نے اس کے لیے سانیٹ کی صورت کو اختیار کیا۔ انہوں نے اس ہیئت میں سلام بھی لکھا ہے۔

اس کا تو امکان ہے کہ ان سے پہلے بھی کسی نے سانیٹ کی صورت میں نعت لکھی ہو لیکن اس ہیئت میں نعتوں کا مجموعہ مرتب کرنے کے علاوہ اس صورت میں سلام کہنے کے لیے بھی بلاشبہ علیم صبا نویدی کو اولیت حاصل ہے

۔ چنانچہ ''نور السمٰوات'' کے اندرونی سرورق پر اس مجموعے کو اردو میں
''نعتیہ سانیٹ کا پہلا مجموعہ'' قرار دینا صحیح ہے''(۵)۔

واقعہ یہ ہے کہ علیم صبا نویدی نے زبان کے تخلیقی اظہار' ترسیل کے نئے ڈھانچوں اور اصناف کے تنوع کے ذریعہ اردو نعت گوئی کی روایت میں نئے افق روشن کئے ہیں۔ نعت کی مذہبی وروحانی روایت کو سانیٹ جیسی مغربی صنف کے پیرایہ سے ہم آمیز کرنا ان کا ایسا وقیع کارنامہ ہے جس سے نہ صرف نعت گوئی کی روایت میں تازگی وتوانائی پیدا ہوتی ہے بلکہ اس میں فکر وخیال اور اظہار وبیان کی نئی راہیں اور نئی جہتیں بھی وا ہوئی ہیں۔ اس طرح ان کے نعتیہ سانیٹ کے مجموعے ''نور السمٰوات'' کو نعتیہ شاعری کے آسمان پر فکر وفن کا نیا ستارہ کہا جاسکتا ہے۔

علیم صبا نویدی کے جدت پسند ذہن وشعور نے مغرب کے علاوہ مشرق بعید کے دبستانوں کی بھی سیر کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جن نئے طرز ہائے اظہار اور غیر ملکی اصناف کی جانب پوری شدومد کے ساتھ متوجہ ہو کر اور کافی بڑی تعداد میں ان کے تخلیقی نمونے پیش کر کے ہم عصر شعراء کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے ان میں ہائیکو بھی شامل ہے۔

ہائیکو مغرب کی نہیں بلکہ جاپان کی ایک شعری ہیئت ہے لیکن ہم اس سے مغرب ہی کے توسط سے روشناس ہوئے۔ ہائیکو جاپانی شاعری کی ایک مقبول ہیئت ہے جو صرف تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ تینوں مصرعے ملا کر صرف سترہ سالے Syllebles ہوں ، اور ان کی ترتیب ۵۔۷۔۵ ہو۔ ہائیکو میں قافیہ نہیں ہوتا اور پوری بات کہنے کے بجائے صرف اشاروں یا نامکمل جملوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ہائیکو عالمی ادب میں مختصر ترین نظم ہے یہ نظمیں معنی کی وسیع وبسیط فضا کو سترہ صوتی وقفوں میں سمیٹ لیتا ہے۔ ہائیکو کا اصلی وصف ایجاز واختصار ہے اور اس کی دوسری خوبی اس کی محاکاتی کیفیت ہے۔ یعنی اس میں الفاظ اور ایمائی اشاروں کے ذریعہ تصویر کشی کی جاتی ہے اردو میں ہائیکو سے ملتی جلتی دو اصناف پائی جاتی ہیں۔ مثلث اور ثلاثی ۔ مثلث میں تین مصرعوں کا ایک بند ہوتا ہے۔ لیکن یہ صرف ایک بند کا نہیں ہوتا۔ اس میں متعدد

بند ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ہائیکو اور ثلاثی کا کل سرمایہ محض تین مصرعے ہوتے ہیں۔ گذشتہ نصف صدی کے دوران اردو میں ہائیکو کہنے والے شاعروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ جدید شاعری کے دور میں جدید طرز کی ہائیکو نظمیں لکھی جا رہی ہیں۔ ہندوستان کی بہ نسبت پاکستان کے جدید شعراء میں یہ صنف زیادہ مقبول ہے لیکن ہندوستان میں علیم صبا نویدی نے جس تواتر و تسلسل اور توازن و تنوع کے ساتھ ہائیکو کہے ہیں اس کی نظر ملنی دشوار ہے۔ تاحال ان کی ہائیکو نظموں کے چار مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ جو اس طرح ہیں۔

۱۔ ترسیلے ۲۔ شعاع شرق ۳۔ تشدید ۴۔ سمت ساز

ڈاکٹر کرامت علی کرامت نے علیم صبا کے شعری مجموعے "ترسیلے" میں شامل تمام ہائیکو نظموں کو ایک طویل نعتیہ نظم قرار دیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں بیشتر ہائیکو نعتیہ مضامین پر مبنی ہیں۔ ترسیلے کے علاوہ ان کی دیگر ہائیکو نظموں کے مجموعوں میں نعتیہ ہائیکو کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ ترسیلے میں شامل نعتیہ ہائیکو اردو میں ایک درآمد کردہ صنف میں نعت گوئی کا اولین تجربہ کہے جا سکتے ہیں۔ ان میں علیم صبا نویدی نے اگر چہ کہ ہائیکو کی فنی پابندیوں کو ملحوظ نہیں رکھا ہے لیکن ان کا انحراف، عجز کی نہیں بلکہ ایجاد کی دلیل ہے۔ ایک زبان کی مخصوص صنف سخن کو جب دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے تو اس کے فارم میں کچھ تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان تبدیلیوں کے سبب اس صنف کی اصلی شکل مسخ نہ ہونے پائے۔ علیم صبا نویدی نے ہائیکو کے فارم میں جو تصرفات کئے ہیں ان کی نوعیت اور مقصد یہ ہے کہ اس غیر ملکی صنف سخن کو اردو کے مزاج و ماحول سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ان کے نعتیہ ہائیکو سے موضوع و پیرائے کی تازگی اور جدت کی تلاش و جستجو صاف عیاں ہے جو فطری شاعر کے تخلیقی جوہر کا ایک لازمی عنصر ہے۔

علیم صبا نویدی کی ہائیکو نظموں کا دوسرا مجموعہ شعاع شرق ہے اس کے پیش لفظ میں ڈاکٹر سید حامد حسین لکھتے ہیں کہ:

"علیم صبا نویدی نے ہائیکو کے اس مجموعے میں اپنے پچھلے مجموعے ترسیلے

سے آگے کا سفر طے کیا ہے ترسیلے میں انہوں نے اپنے بعض نثری ہائیکو بھی شامل کیے ہیں۔ مگر زیر نظر مجموعے کے تقریباً سارے ہائیکو پابند ہائیکو ہیں جن میں پہلے اور تیسرے مصرعے کو ہم قافیہ اور تعداد ارکان کے لحاظ سے مساوی رکھنے کا التزام ہے"(۶)۔

ترسیلے کی ہائیکو نظموں میں نعتیہ مضامین پر مشتمل ہائیکو بھی شامل ہیں۔ ترسیلے کا آغاز ہی نعتیہ ہائیکو نظموں میں نعتیہ مضامین پر مشتمل ہائیکو بھی شامل ہیں۔ ترسیلے کا آغاز ہی نعتیہ ہائیکو سے ہوتا ہے۔ ان نظموں میں علیم صبا نویدی نے ہائیکو کی جدت اختصار اور ایمانی اظہار سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔ ان نظموں میں حضور سرور کونینؐ سے ان کی عقیدت ایک گہرا رنگ اختیار کر گئی ہے۔ اور یہ رنگ ہائیکو کی جامع اشاریت اور بلیغ رمزیت سے مل کر نہایت چوکھا ہو گیا ہے۔ اس طرح ترسیلے کے نعتیہ ہائیکو اردو شاعری کے نعتیہ سرمایہ میں ایک تازہ اور خوش گوار اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہائیکو سے علیم صبا نویدی کی دلچسپی محض ایک نئے ہیئتی تجربے کی حد تک نہیں رہی بلکہ انہوں نے اس صنف کو اپنے تخلیقی اظہار کا ایک اہم وسیلہ بنایا۔ ترسیلے اور شعاع شرق کے بعد ان کی ہائیکو نظموں کا تیسرا مجموعہ تشدید منظر عام پر آیا جو ان کی قوت اظہار اور تازہ کاری کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ علیم صبا نویدی کے ہائیکو کے اولین مجموعے ترسیلے کے پیش لفظ میں ڈاکٹر سید کرامت علی کرامت نے اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ "یہ بھی ممکن ہے کہ علیم صبا نویدی خود بڑھ کر یہ جام و مینا اٹھا لیں اور اچانک ہمارے ہاتھ میں ان کا ایک اور ہائیکو نظموں کا مجموعہ ہو۔" ڈاکٹر کرامت علی کرامت کی یہ توقع ایک صاحب کرامت ولی کی پیش گوئی ثابت ہوئی۔ ترسیلے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی اس کے ایک ہی سال کے بعد یعنی مارچ ۱۹۸۷ء میں علیم صبا نویدی نے اردو دنیا کو اپنے ہائیکوز کا دوسرا مجموعہ شعاع شرق کا تحفہ پیش کیا اور اس کے دو سال بعد ستمبر ۱۹۸۹ء میں ان کے ہائیکوز کے تیسرے مجموعے تشدید کی اشاعت عمل میں آئی۔

تشدید ۲۰۳ ہائیکوز پر مخطوی ہے جن میں سے بیشتر مصرع اول و مصرع ثالث میں قافیے اور ردیف کا اتحاد رکھتے ہیں ۔ تینوں مصرعے طوالت کے اعتبار سے تابرابر بھی ہیں۔ ترسیلے سے تشدید تک علیم صبا نویدی کو ہائیکو نگاری کا سفر ارتقاء پذیر اور فن کی نئی نئی رفعتوں سے ہم کنار ہوتا نظر آتا ہے۔ پہلے دو مجموعوں کی بہ نسبت تیسرے مجموعے کے ہائیکوز ایجاز وایمائیت۔ پیکریت اور ایمائی ترسیل کی بولتی تصویریں ہیں۔ اس مجموعے میں علیم صبا نے تین قسم کے ہائیکو شامل کئے ہیں:

۱۔ پابند ہائیکو ۲۔ نثری ہائیکو ۳۔ پابند نثری ہائیکو

تشدید کے نعتیہ ہائیکوز کے بارے میں تسنیم فاروقی کی رائے ہے کہ:

''یہ شاعر کے جذبات نرم اور تقدیس مزاج کے غماز ہیں ان میں ایقان وعقائد کی محسوس کیفیت موجزن ہے''(۷)۔

''ست ساز'' میں جملہ ۱۱۴ ہائیکو نظمیں موجود ہیں اور اس میں شاعر نے قافیے کے بجائے آہنگ کو اہمیت دی ہے اور ان سہ سطری نظموں کو جاپانی ہائیکو سے قریب کرنے کی کوشش کی ہے۔

تشدید اور ست ساز کے ہائیکو وحدت خیال اور تسلسل بیان کی شہادت دیتے ہیں۔ حمدیہ اور نعتیہ ہائیکوز اس کی عمدہ مثال ہیں۔ نعتیہ نظموں میں علیم صبا نویدی نے پیکر تراشی اور استعاروں کے ذریعہ بڑی قوت وتاثر کے ساتھ نہایت بسیط وبلیغ معانی ومفاہم کی ترسیل کی ہے۔ اردو نعت گوئی کی تاریخ میں ان کا یہ تجربہ محض تجربہ نہیں ہے بلکہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس کی نظیر پورے برصغیر میں نہیں ملتی۔ علیم صبا نویدی کی ہائیکو نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ناز قادری لکھتے ہیں:

''جہاں تک ہیئت تجربے اور پیوند کاری کا سوال ہے تو میں وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ علیم صبا نویدی نے سائنٹفک طریقے پر ہیئتی تجربہ کیا ہے۔ اور ان کی اس کاوش میں تدریجی ارتقاء دیکھا جاسکتا ہے''(۸)۔

آگے وہ علیم صبا نویدی کے ہائیکوز میں حسی درکی ۔ داخلی وجدانی اور حسی وجدانی مناظر کی مثالوں کے ذریعہ توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ مناظر کثیر الجہت ہیں۔ سیال ہیں اور نامی ہیں ان میں ویژن کی گہرائی اور کینوس کا پھیلاؤ دونوں پائے جاتے ہیں۔ ان کا ہر ایک منظر Panoramic ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علیم صبا نویدی کا ذہن Zoomlense Camera ہے جو پھیلے ہوئے مناظر کو اپنے Apperture کی گرفت میں لے لیتا ہے''(۹)۔

شمیم احمد نے ہائیکو کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اُردو میں اس ہیئت (ہائیکو) کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے''(۱۰)۔

لیکن علیم صبا نویدی نے اپنے زرخیز تخلیقی سوتوں کی توانائی سے پے بہ پے ہائیکو کے چار مجموعے تخلیق کر کے نہ صرف ان کے اس قول کی نفی کی بلکہ اردو ادب کو ہائیکو کے چار مجموعے دیئے۔ اس ضمن میں مشہور و معروف نقاد و دانشور شمس الرحمٰن فاروقی کی یہ رائے بھی نہایت اہم ہے کہ:

''اگرچہ اردو میں اصل ہائیکو یا ہاکو لکھنا ممکن نہیں ہے کیوں کہ اس کے جو شرائط ہیں (اصل جاپانی میں) وہ اردو میں پوری نہیں ہوسکتیں۔ لیکن اس کے باوجود علیم صبا نویدی نے بعض بہت کامیاب کوششیں کی ہیں''(۱۱)۔

علیم صبا نویدی کے ہاں سالموں۔ صوتی وقفوں ۔ ارکان کی تعداد اور قافئے و ردیف کے بعض تسامحات کے باوصف جن کی ان کے بعض نقادوں اور تبصرہ نگاروں نے تفصیلی نشان دہی کی ہے یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جس سے ان کے کڑے سے کڑے ناقد کو بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے اردو ہائیکو کو اس کی اصل یعنی جاپانی ہائیکو سے قریب تر لے جانے اور اس کے صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ناوک حمزہ پوری کے بقول

''علیم صبا نویدی جن مختلف جہتوں سے تاریخ ادب اردو میں زندہ رہیں گے

نیز ان کا شمار السابقون الاولون کے زمرے میں ہوگا۔ (شاعری کے) ان
میں ایک اردو ہائیکو کے تعلق سے ان کی گرانقدر خدمات بھی ہے" (۱۲)۔

یہی بات ان کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے بھی کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے ہائیکو کی صنف کو نعتیہ شاعری کے لیے استعمال کرکے اردو کی نعتیہ شاعری کے منظر نامے میں ایک سمت ساز اضافہ کیا ہے۔

حوالے وحواشی:

(۱) علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری۔ مشمولہ "نقش قلم" مرتبہ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید، ص ۳۲۔

(۲) بحوالہ "نقش قلم" ص۔ ۴۵۔

(۳) " کاوش بدری" نقش قلم۔ ص ۵۹۔

(۴) ڈاکٹر اعجاز علی ارشد، نقش قلم ص۔ ۶۹۔

(۵) "نقش قلم" ص۔ ۷۷۔ ۷۶۔ و نیز ص ۷۸۔

(۶) ڈاکٹر سید حامد حسین۔ "روشن لکیر" مدراس۔ ۱۹۹۰ء۔ ص ۱۲۵۔ ۱۲۶۔

(۷) تسنیم فاروقی، روشن لکیر ص ۷۹۔

(۸) پروفیسر ناز قادری۔ روشن لکیر ص ۲۵۔ ۲۶۔

(۹) ایضاً۔

(۱۰) درس بلاغت ص

(۱۱) بحوالہ شعاع شرق ص ۱۰۰۔

(۱۲) بحوالہ روشن لکیر ص ۶۰۔

من لم یشکر الناس من یشکر اللہ
(حدیث)

- پروفیسر ناز قادری سابق صدر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی
- پروفیسر معین الدین عقیل مہمان پروفیسر اوساکا یونیورسٹی۔ جاپان
- پروفیسر شاہ حسین نہری اورنگ آباد
- ڈاکٹر نسیم الدین فریس ریڈر مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی حیدرآباد
- حضرت علیم صبا نویدی مدیر "نورِ جنوب" چنائی
- ڈاکٹر راہی فدائی اعزازی صدر شعبۂ ترجمہ۔ انسٹیٹیوٹ آف ہائیر لرننگ۔ بنگلور
- جناب اسد ثنائی مدیر "الانصار" حیدرآباد
- محمد عبدالحیٔ ساجد فاروقی میکانیکل انجینئر امریکہ
- رقیہ حامد اہلیہ محمد عبدالہادی فاروقی مرحوم
- خالدہ عابد مقیم شکاگو۔ امریکہ
- راشدہ مخدوم محی الدین
- کہکشاں عمران احمد سکنڈری گریڈ گورنمنٹ ٹیچر حیدرآباد
- ڈاکٹر ثریا نجم الدین ہیلنگ ٹچ فزیوتھراپی کلینک حیدرآباد
- ڈاکٹر شائستہ علیم الدین مقیم دوبئی
- محمد عادل فراز آئی اینڈ سی انجینئر ابوظہبی
- محمد سہیل افروز بی ٹیک متعلم ایم بی اے حیدرآباد
- محمد اظہر خاں میکانیکل انجینئر دوبئی
- محمد اطہر خاں متعلم بی کام حیدرآباد
- جناب محمد ذکی الدین لیاقت ڈائرکٹر ممتاز کمپیوٹرس حیدرآباد
- جناب محمد علی بیگ ذاکر ٹائل ڈیزائنر چھتہ بازار حیدرآباد

جزاک اللہ خیراً

Aleem Saba Naveedi
Ki
Naatiya Shairi

By:

Dr. Rahat Sultana

AL- ANSAR PUBLICATIONS
Hyderabad - 500 059
Cell: 9391301192